جرائد
۲۳۰۲

هو العلیم الخبیر

کتب خانہ ندوۃ العلماء لکھنؤ

عاریت
خرید .....

نمبر کتاب	نام کتاب	فن	نام مصنف	مطبوعہ یا قلمی	قیمت	دستخط مہتمم کتبخانہ
۲۳۰۲ / ۴۰۴۴۹	تعمیر حیات	جرائد	مولانا محمد الحسنی	لکھنؤ		[illegible]

نوٹ: کتاب یا جلد پر کچھ لکھنا یا خراب کرنا جرم ہے۔ کسی خرابی پر کتاب کی پوری قیمت وصول کی جا سکتی ہے۔

شعبۂ
تعمیر و ترقی
دار العلوم ندوۃ العلماء
لکھنؤ

تعمیرِ حیات

۹ و ۲۴ رمضان ۱۳۹۰ھ مطابق ۱۰ و ۲۵ نومبر ۱۹۷۰ء

ایڈیٹر سید محمد الحسنی
معاون سعید الاعظمی ندوی

چندہ سالانہ آٹھ روپیہ قیمت فی پرچہ ۳۵ پیسے

۹ر۲۴ر رمضان ۱۳۹۰ھ
مطابق
۱۰ر۲۵ر نومبر ۱۹۷۰ء

ماہنامہ تعمیر حیات لکھنؤ
شعبۂ تعمیر و ترقی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ
جلد ۸ شمارہ ۱ و ۲

چندہ
سالانہ ۸ روپے
ششماہی ۴ روپے
فی کاپی ۳۵ پیسے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رمضان ہم سے کیا چاہتا ہے؟

محمد الحسنی

رمضان المبارک کا وہ مبارک مہینہ آج خدا کے فضل سے ہمارے اوپر سایہ فگن ہے جس کی تعریف قرآن مجید اور حدیث شریف میں بار بار آئی ہے۔ یہ مہینہ تلاوت و عبادت کا بھی ہے اور فیاضی و سخاوت کا بھی، اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مسلمان ان دونوں چیزوں کا اہتمام کرتے ہیں اور دوسرے عام دنوں کے مقابلہ میں اس میں ہمیشہ کھلا ہوا فرق محسوس ہوتا ہے۔ لیکن ہمیں یہاں صرف ایک چیز کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے اور وہ یہ ہے کہ بہت سے لوگ تلاوت و عبادت کے معنی یہ سمجھتے ہیں کہ شبینہ کر کے فرصت پائی جائے اور افطار پارٹی اور اس کے بعد ڈنر پارٹی کر کے فیاضی و سخاوت کا مظاہرہ کر لیا جائے۔ نہ شبینہ ناجائز، نہ افطار اور ڈنر غلط۔ لیکن ہمیں دیکھنا چاہئے کہ عبادت و تلاوت اور فیاضی و سخاوت کی روح کیا ہے؟ تلاوت کے مسئلہ میں بہتر اور مستحسن یہ ہے کہ پورا مہینہ اہتمام کے ساتھ اس میں گزرے اور صرف تراویح ہی نہیں بلکہ دن کے اوقات بھی تلاوت سے معمور اور منور ہوں، اور ساتھ ہی حق تلاوت ادا کرنے کی بھی کوشش کی جائے۔ یعنی غیبت، لایعنی باتوں اور جھوٹ سچ قسموں سے پرہیز، نظر کی احتیاط وغیرہ

اسی طرح افطار پارٹی کا مطلب یہ نہ ہونا چاہئے کہ اس میں صرف امراء اور اغنیاء یا وہ لوگ بلائے جائیں جن سے کوئی مفاد یا غرض وابستہ ہو بلکہ اس میں غریب لوگوں اور عام پڑوسیوں کا بھی خیال رکھا جائے اور صرف افطاری کے ذریعہ نہیں بلکہ مختلف طریقوں سے اہل حاجت کی امداد کی فکر کی جائے۔

انسان کا مزاج ہو گیا ہے کہ وہ معمولی چیز کو حقیر سمجھتا ہے اور سوچتا ہے کہ جب تک رقم زیادہ نہ ہو دینے سے کیا فائدہ حالاں کہ یہ بات درست نہیں اگر استطاعت کم ہو تو ایک پیسہ ایک لاکھ کے برابر ہو بشرطیکہ خلوص ہو، اور اگر سینکڑوں روپے نام و نمود پر خرچ کر دیئے گئے تو اس سے اس دنیا میں سوائے فکر و پریشانی کے اور آخرت میں سوائے ندامت و پشیمانی کے کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔

اللہ تعالیٰ کے یہاں ہر چیز کا انحصار کیفیت پر ہے کمیت پر نہیں حسن نیت پر ہے بھاری کثرت عمل پر نہیں، اسی طرح افطار کے مسئلہ میں ہم سب کو یہ خیال ہوتا ہے کہ جب تک اتنا اہتمام نہ ہو فلاں تیاری نہ ہو اور اتنے آدمی نہ بلائے جائیں وغیرہ وغیرہ اس وقت تک افطار کیسے کرایا جائے۔ اس میں کئی نقصان ہیں۔ ایک تو اس میں بعض وقت افطار ہی ٹل جاتا ہے، دوسرے ریا، نمود اور عزت و شہرت کی خواہش در پردہ اس میں اپنی جگہ بنا لیتی ہے اور رفتہ رفتہ دل میں جڑ پکڑ لیتی ہے۔ پھر وہ منزل آ جاتی ہے جب اس کا نکلنا آسان نہیں ہوتا إلا ماشاء اللہ، اور تیسرے یہ کہ ان سب باتوں کے نتیجہ میں غربا، اہل حاجت اور اللہ کے نیک و صالح لیکن گمنام و بے نام بندے عموماً محروم رہتے ہیں۔

بہترین شیرینیاں، اعلیٰ قسمیں، ڈنر سوٹ، زبردست انواع و اقسام کی نعمتیں بلاشبہ ضرور نظر آتی ہیں لیکن اس کے پیچھے اخلاص و دردمندی اور صداقت کتنے عنصر ہوتا ہے اس کا اندازہ ہم میں سے ہر شخص کو ہو گا۔ ہمارا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ چند چیزیں جہاں جمع ہو جائیں وہ جگہ منحوس اور ناقابل اعتماد ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ (کہو کس نے حرام کیا اللہ تعالیٰ کی زینت کو جو اس نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کی اور اسکے رزق کی پاکیزہ چیزیں) کہنے کا منشا صرف یہ ہے کہ ہمارے عمل کا دائرہ جو اس کی سطح اور معیار ہو ہمارا روزہ بھی ہو روزہ کی روح اخلاص کی کیفیت، مقصد کی بلندی نیت کی درستی اور دل کی یکسوئی ہمیشہ ضروری ہو گی اور اصل رہے گی۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ جس دعوت میں صرف امراء بلائے جائیں وہ اللہ کے نزدیک مبغوض ترین دعوت ہے (کما قال علیہ السلام) مطلب یہ کہ غربا کو حقیر سمجھا جائے اور سوسائٹی کے اعلیٰ طبقہ کو جس کو سربرآوردہ کہا جاتا ہے محض اس کی شہرت و ثروت کی وجہ سے بلایا جائے تو یہ دعوت نہ صرف برکت سے خالی ہو گی بلکہ خطرہ یہ ہے کہ (خدانخواستہ) ہمارے لئے باعث مصیبت بنے۔

اصل بات یہ ہے کہ جو چیز ہمیں میسر ہے اور زندگی کا جو معیار ہمیں حاصل ہے اسکو سامنے رکھتے ہوئے اور حسن نیت اور اخلاص کو اپنا کر ہمارا جو بھی قدم اٹھے گا وہ انشاء اللہ صحیح سمت میں اٹھے گا شریعت نے کوئی بات ادھوری نہیں چھوڑی ہے ہر چھوٹی بڑی چیز کیلئے اسکے پاس مکمل ہدایت اور رہنمائی موجود ہے ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ کسی طرح یہ چراغ ہمارے ہاتھ آ جائے اور ہم اپنی زندگی کی تاریک راہوں کو اس سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے منور کر لیں۔

(أَفَمَنْ كَانَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ كَمَنْ هُوَ اَعْمٰى اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ) کیا بھلا اللہ کے نور پر ہونا وہ ایسا ہو سکتا ہو جیسے اندھا، بیشک اس سے نصیحت عقل والے ہی حاصل کرتے ہیں۔

رُوزہ

قرآن و حدیث کی روشنی میں

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ (بقرہ)

ترجمہ: مومنو! تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم پرہیزگار بنو۔

وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ (بقرہ)

اور اگر سمجھو تو روزہ رکھنا ہی تمہارے حق میں بہتر ہے۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْیَصُمْهُ ۝ (بقرہ)

رمضان کا مہینہ ہے جس میں قرآن اوّل اوّل نازل ہوا۔ جو لوگوں کا رہنما ہے اور جس میں ہدایت کی کھلی نشانیاں ہیں اور جو حق و باطل کو الگ الگ کرنے والا ہے، تو جو کوئی تم میں سے اس مہینہ میں موجود ہو چاہئے کہ پورے مہینہ کے روزے رکھے۔

(بقرہ)

• حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب رمضان کی پہلی رات ہوتی ہے تو شیاطین اور سرکش جنات جکڑ دیئے جاتے ہیں اور دوزخ کے سارے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں ان میں سے کوئی دروازہ بھی کھلا نہیں رہتا۔ اور جنت کے تمام دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اس کا کوئی دروازہ بھی بند نہیں کیا جاتا۔ اور اللہ کا منادی پکارتا ہے کہ اے خیر و نیکی کے طالب قدم بڑھا کے آ۔ اور اے بدی اور بدکرداری کے شائق رک۔ آگے نہ آ۔ اور اللہ کی طرف سے بہت سے بندوں کو دوزخ سے رہائی دیجاتی ہے۔ یعنی ان کی مغفرت کا فیصلہ فرما دیا جاتا ہے۔ اور یہ سب رمضان کی ہر رات میں ہوتا ہے۔

• حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "جس نے اس مہینہ میں ایک نفل نیکی کی گویا اس نے دوسرے زمانہ میں ایک فرض ادا کیا اور جس نے اس زمانے میں ایک فرض ادا کیا گویا اس نے اور زمانے میں ستر فرض ادا کئے۔ یہ مہینہ صبر کا ہے اور صبر کا بدلہ جنت ہے۔ یہ مہینہ غمخواری کا ہے اس ماہ میں مومنوں کے رزق میں برکت دیجاتی ہے اس کا پہلا عشرہ رحمت ہے، دوسرا عشرہ مغفرت ہے اور تیسرا عشرہ جہنم سے آزادی ہے۔"

قرآن کا پیام

(مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی)

فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّىْ فِى الْمِحْرَابِ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًاۢ بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝٣٩ قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِىَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِىْ عَاقِرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ۝ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّىْٓ اٰيَةً ؕ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ؕ

پس انھیں فرشتوں نے آواز دی اس حال میں کہ وہ حجرہ کے اندر کھڑے نماز پڑھ رہے تھے کہ اللہ آپ کو یحییٰ کی خوشخبری دیتا ہے جو کلمۃ اللہ کی تصدیق کرنے والے ہوں گے اور مقتدا ہوں گے اور بڑے ضبط نفس کرنے والے ہوں گے اور نبی ہوں گے صالحین میں سے (زکریا) بولے اے میرے پروردگار میرے بیٹا کس طرح ہوگا درانحالیکہ مجھے بڑھاپا آپہنچا ہے اور میری بیوی بانجھ ہے ارشاد ہوا اسی طرح اللہ کر دیتا ہے جو کچھ وہ چاہتا ہے (زکریا) بولے اے میرے پروردگار میرے لئے کوئی نشانی مقرر کردے ارشاد ہوا کہ تمہارے لئے نشانی یہ ہے کہ تم لوگوں سے بات نہ کرسکو گے تین دن تک بجز اشارہ کے۔

دعا فوراً قبول ہوگئی اور آپ کو حالت نماز ہی میں فرزند کی بشارت مل گئی۔

الملٰئکۃ۔ صیغہ جمع اسم جنس کا بھی کام دیتا ہے اس لئے ہوسکتا ہے کہ آواز دینے والا فرشتہ ایک ہی ہو ——— عربی میں یہ محاورہ عام ہے فلان یرکب الخیل (فلاں شخص گھوڑے پر سوار ہوتا ہے) حالانکہ وہاں مراد گھوڑے کی صرف جنس ہوتی ہے۔

یحییٰ۔ عہد جدید کے صحیفوں میں ان کے نام کا املا یوحنا آتا ہے۔ انجیل میں اس موقع پر ہے۔

"فرشتے نے اس سے کہا۔ اے زکریا خوف نہ کر کیوں کہ تیری دعا سنی گئی اور تیری بیوی الیشبع تیرے لئے بیٹا جنے گی تو اس کا نام یوحنا رکھنا اور تجھے خوشی و خرمی ہوگی" (لوقا ۱: ۱۳، ۱۴)

حضرت عیسیٰ کے خالہ زاد بھائی اور آپ سے عمر میں حسب روایت انجیل صرف چھ مہینے بڑے تھے، ... میں والی شام ہیرود کے حکم سے شہید کردیئے گئے۔

کلمۃ من اللہ جس طرح روح القدس لقب حضرت جبرئیل کا ہے۔ کلمۃ اللہ سے مراد حضرت مسیح ہیں۔

یعنی حضرت عیسیٰ کی تصدیق کرنے والا۔ مسیحیوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت یحییٰ کی اصل حیثیت مسیح کے پیش رو اور نقیب ہی کی تھی۔

بعض اہل تفسیر نے مراد کتاب اللہ بھی لی ہے۔

سیداً۔ یعنی دین کے باب میں مقتدا اور پیشوا۔ مسیحی تو خیر آپ کے تقدس کے قائل ہی ہیں، یہود جو آپ کے منکر اور آپ کے سخت دشمن ہیں۔ وہ بھی آپ کے مرجعیت اور مقبولیت سے انکار نہیں کرتے۔

حصوراً۔ یعنی لذات و شہوات پر اپنے قابو حاصل ہوگا، اور وہ نہایت درجہ محتاط و متقی ہوگا۔ انجیل میں آپ کے زہد و تقشف کا ذکر تصریح کے ساتھ ہے۔ مثلاً "وہ خداوند کے حضور میں بزرگ ہوگا اور ہرگز نہ مے نہ کوئی اور شراب پئے گا۔ اور اپنی ماں کے پیٹ ہی سے روح القدس سے بھر جائے گا" (لوقا ۱: ۱۵) "اور بہت سے بنی اسرائیل کو خداوند کی طرف جو ان کا خدا ہے پھیرے گا اور وہ ایلیاہ کی روح اور قوت میں اس کے آگے آگے چلے گا کہ والدوں کے دل اولاد کی طرف اور نافرمانوں کو راستبازوں کی دانائی پر چلنے کی طرف پھیرے اور خداوند کے لئے ایک مستعد قوم تیار کرے" (لوقا ۱: ۱۶، ۱۷) "اور وہ لڑکا بڑھتا اور روح میں قوت پاتا گیا اور اسرائیل پر ظاہر ہونے کے دن تک جنگلوں میں رہا" (لوقا ۱: ۸۰)

نبیاً من الصالحین۔ حضرت یحییٰ کا اثبات یہود کے مقابلہ میں ہے۔ جو نعوذ باللہ آپ کو ایک بناہوا انسان سمجھتے تھے، اور آپ کی صالحیت کا اثبات یہود کے مقابلہ میں تو ہوتا ہی، لیکن خود مسیحیوں کے مقابلہ میں بھی ہے جن کے نزدیک عصمت و تقویٰ لازمۂ نبوت نہیں صالحیت تو نبوت سے پست اور ہلکی چیز ہے لیکن یہ صرف اسلامی عقیدہ ہے۔ اہل کتاب کا یہ عقیدہ نہیں۔ ان کے ہاں نبی غیر صالح بھی ہوسکتا ہے۔

انجیل میں اس موقع پر ہے:۔ "زکریا نے فرشتہ سے کہا میں اس بات کو کس طرح جانوں کیونکہ میں بوڑھا ہوں اور میری بیوی بھی عمر رسیدہ ہے" (لوقا ۱: ۱۸) "اسکے اولاد نہ تھی کیونکہ الیشبع بانجھ تھی اور دونوں عمر رسیدہ تھے" (لوقا ۱: ۷)

انّٰی یکون لی غلٰم۔ یعنی اس بشارت کی تحقیق کی معین صورت آخر کیا ہوگی؟ آیا میری جوانی عود کرآئے گی یا اور کوئی خاص انقلاب ہوگا؟ وعدہ الٰہی سے بے اعتباری کا یہاں کوئی سوال نہیں۔ حضرت تو محض متعین صورت جاننا چاہتے تھے لیکن بالفرض عدم اطمینان مراد لی جائے۔ جب بھی خلاف اسباب ظاہری کسی شے کی خبر وقوع پر حیرت بالکل طبعی ہے اور پیغمبر بھی امور طبعی میں بالکل بشر ہی ہوتے ہیں غیر طبعی اور خارق عادت پر حیرت جس طرح ہر بشر کے لئے جائز ہے پیغمبر کے لئے بھی ہے۔

(کہ اس حقیقت کا مراقبہ ہر استبعاد کے دفع کردینے کے لئے کافی ہے)

استحضار قدرت الٰہی کے لئے پیغمبر کو ایک اشارہ کافی ہوگیا۔

کذٰلک۔ وجود شباب وغیرہ کچھ بھی نہ ہوگا بس اسی موجودہ حالت کے ساتھ ولادت فرزند ہوگی۔

(جس سے مجھے معلوم ہوجائے کہ گھر میں حمل ہے اور زمانۂ ولادت قریب ہے۔ اور میں ادائے شکر کا سامان کرسکوں۔)

اٰیۃ۔ ہر ایسی چیز ہے جس سے قدرت الٰہی، نصرت غیبی خاص طور پر ظاہر ہورہی ہو۔ ایسی چیز دل کو قدرۃً معمول عام سے کسی قدر ہٹا ہوا چاہئے اور اس نشان میں اعجازی رنگ ضرور ہونا چاہئے۔

(اور تسبیح و عبادت الٰہی اس حال میں بھی جاری رہے گی)

الا تکلم الناس۔ انجیل کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ جیسے کوئی بڑی معصیت حضرت زکریا سے سرزد ہوگئی تھی، اور اس کی سزا میں انکی قوت گویائی چند روز کے لئے سلب کرلی گئی تھی "اور دیکھ جس دن تک یہ باتیں واقع نہ ہولیں تو چپکا رہے گا اور بول نہ سکے گا۔ اس لئے کہ تو نے میری باتوں کا جو اپنے وقت پر پوری ہوں گی۔ یقین نہ کیا۔ جب وہ باہر آیا تو ان سے بول نہ سکا۔ پس انھوں نے معلوم کیا کہ اس نے مقدس میں رویا دیکھی ہے اور وہ ان سے اشارے کرتا تھا۔ اور وہ گونگا ہی رہا" (لوقا ۱: ۲۰-۲۲)

قرآن مجید جو تمام قدیم صحیفوں پر مہیمن یا نگران و نگہبان ہے اور ان کی تمام غلطیوں اور غلط بیانیوں کی تصحیح کرتا جاتا ہے یہاں بھی اس نے حسب معمول اپنا فرض ادا کیا اور حضرت زکریا سے یہ بہتان رفع کرکے صحیح صورت حال یہ بیان کی کہ ایک علامت غیبی و اعجازی کی تو انھوں نے خود ہی درخواست کی تھی اور ان کی اس درخواست پر یہ علامت غیبی عطا ہوئی تھی کہ آپ تسبیح و ذکر الٰہی تو اپنی جگہ بدستور کرتے رہیں گے البتہ لوگوں سے بات چیت کی قوت آپ کو تین دن کے لئے حاصل نہ رہے گی۔

تکلم الناس میں الناس ہی تو فقرہ کی جان ہے، کہ لوگوں سے بات چیت پر قدرت نہ رہے گی۔ ورنہ ذکر الٰہی کے لئے تو زبان چلتی رہے گی۔

(باقی صفحہ ۲ کالم ۳ پر)

رمضان میں اعتکاف کی فضیلت

(شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب)

ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان المبارک کے پہلے عشرہ میں اعتکاف فرمایا اور پھر دوسرے عشرہ میں بھی پھر ترکی خیمہ سے جس میں اعتکاف فرما رہے تھے باہر سر نکال کر ارشاد فرمایا کہ میں نے پہلے عشرہ کا اعتکاف شب قدر کی تلاش اور اہتمام کی وجہ سے کیا تھا، پھر اسی کی وجہ سے دوسرے عشرہ میں کیا، پھر مجھے کسی بتلانے والے (یعنی فرشتہ) نے بتلایا کہ وہ رات آخری عشرہ میں ہے لہٰذا جو لوگ میرے ساتھ اعتکاف کر رہے ہیں وہ آخیر عشرہ کا بھی اعتکاف کریں۔ مجھے یہ رات دکھلا دی گئی تھی پھر بھلا دی گئی (اس کی علامت یہ ہے) کہ میں نے اپنے آپ کو اس رات کے بعد کی صبح میں کیچڑ میں سجدہ کرتے دیکھا لہٰذا اب اس کو آخیر عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔ راوی کہتے ہیں کہ اس رات میں بارش ہوئی اور مسجد چھپر کی تھی وہ ٹپکی اور میں نے اپنی آنکھوں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی مبارک پر کیچڑ کا اثر اکیسؔ کی صبح کو دیکھا۔

ف:۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ اعتکاف کی ہمیشہ رہی ہے اس مہینہ میں تمام مہینہ کا اعتکاف فرمایا اور جس سال وصال ہوا ہے اس سال بیس روز کا اعتکاف فرمایا تھا لیکن اکثر عادت شریفہ چونکہ آخیر عشرہ ہی کے اعتکاف کی رہی ہے اس لئے علماء کے نزدیک سنت مؤکدہ وہی ہے، حدیث بالا سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اس اعتکاف کی بڑی غرض شب قدر کی تلاش ہے۔ اور حقیقت میں اعتکاف اس کے لئے بہت ہی مناسب ہے کہ اعتکاف کی حالت میں اگر آدمی سوتا ہوا بھی ہو تب بھی عبادت میں شمار ہوتا ہے۔ نیز اعتکاف میں چونکہ آنا جانا اور ادھر ادھر کے کام بھی کچھ نہیں رہتے اس لئے عبادت اور کریم آقا کی یاد کے علاوہ کوئی اور مشغلہ بھی نہ رہے گا۔ لہٰذا شب قدر کے قدردانوں کے لئے اعتکاف سے بہتر صورت نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اول تو سارے رمضان میں عبادت کا بہت زیادہ اہتمام اور کثرت فرماتے تھے لیکن آخیر عشرہ میں کچھ حد ہی نہیں رہتی تھی، رات کو خود بھی جاگتے اور گھر والوں کو بھی جگانے کا اہتمام فرماتے تھے، جیساکہ صحیحین کی متعدد روایات سے معلوم ہوتا ہے۔ بخاری و مسلم کی ایک روایت میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آخیر عشرہ میں حضورؐ لنگی کو مضبوط باندھ لیتے اور راتوں کا احیاء فرماتے اور اپنے گھر کے لوگوں کو بھی جگاتے لنگی مضبوط باندھنے سے کوشش میں اہتمام کی زیادتی بھی مراد ہوسکتی ہے اور بیویوں سے بالکلیہ احتراز بھی مراد ہوسکتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ معتکف گناہوں سے محفوظ رہتا ہے اور اس کے لئے نیکیاں اتنی ہی لکھی جاتی ہیں جتنی کرنے والے کے لئے۔

ف:۔ دو مخصوص نفعے اعتکاف کے اس حدیث میں ارشاد فرمائے ہیں۔ ایک یہ کہ اعتکاف کی وجہ سے گناہوں سے حفاظت ہو جاتی ہے ورنہ بسا اوقات کوتاہی اور لغزش سے کچھ اسباب ایسے پیدا ہو جاتے ہیں کہ اس میں آدمی گناہ میں مبتلا ہی ہو جاتا ہے اور ایسے متبرک وقت میں معصیت کا ہوجانا کس قدر ظلم عظیم ہے۔ اعتکاف کی وجہ سے ان سے امن و حفاظت رہتی ہے، دوسرے یہ کہ بہت سے نیک اعمال جیسا کہ جنازہ کی شرکت، مریض کی عیادت وغیرہ ایسے امور ہیں کہ اعتکاف میں بیٹھ جانے کی وجہ سے معتکف ان کو نہیں کرسکتا اس لئے اعتکاف کی وجہ سے جن عبادتوں سے رکا رہا ان کا اجر بغیر کئے بھی ملتا رہے گا۔ اللہ اکبر کس قدر رحمت اور فیاضی ہے کہ ایک عبادت آدمی کرے اور دس عبادتوں کا ثواب مل جائے، درحقیقت اللہ کی رحمت بہانہ ڈھونڈتی ہے اور تھوڑی سی توجہ اور مانگ سے دھواں دھار برستی ہے۔

حجۃ: بہانہ می جوید بہا نمی جوید

مگر ہم لوگوں کو سرے سے اس کی قدر ہی نہیں ضرورت ہی نہیں توجہ کون کرے اور کیوں کرے کہ دین کی وقعت ہمارے قلوب میں نہیں ہے

اس کے الطاف تو ہیں عام شہیدی سب پر
تجھ سے کیا ضد تھی اگر تو کسی قابل ہوتا

حضرت ابن عباسؓ ایک مرتبہ مسجد نبوی علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام میں معتکف تھے کہ آپ کے پاس ایک شخص آیا اور سلام کرکے چپ چاپ بیٹھ گیا حضرت ابن عباسؓ نے اس سے فرمایا کہ میں تمہیں غمزدہ اور پریشان دیکھ رہا ہوں۔ کیا بات ہے۔ اس نے کہا کہ اے رسول اللہ کے چچا کے بیٹے میں بیشک پریشان ہوں کہ فلاں کا مجھ پر حق ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ اس قبر والے کی عزت کی قسم میں اس حق کے ادا کرنے پر قادر نہیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اچھا کیا میں اس سے تیری سفارش کروں۔ اس نے عرض کیا کہ جیسا آپ مناسب سمجھیں۔ ابن عباسؓ یہ سن کر جوتہ پہن کر مسجد سے باہر تشریف لائے۔ اس نے عرض کیا کہ آپ اپنا اعتکاف بھول گئے، فرمایا بھولا نہیں ہوں بلکہ میں نے اس قبر والے (صلی اللہ علیہ وسلم) سے سنا ہے اور ابھی زمانہ کچھ زیادہ نہیں گذرا یہ لفظ کہتے ہوئے ابن عباسؓ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے کہ حضورؐ فرما رہے تھے کہ جو شخص اپنے بھائی کے کسی کام میں چلے پھرے اور کوشش کرے اس کے لئے دس برس کے اعتکاف سے افضل ہے اور جو شخص ایک دن کا اعتکاف بھی اللہ کی رضا اور کے واسطے کرتا ہے تو حق تعالیٰ شانہٗ اس کے اور جہنم کے درمیان تین خندقیں آڑ فرما دیتے ہیں جن کی مسافت آسمان اور زمین کی مسافت سے زیادہ چوڑی ہے (اور جب ایک دن کے اعتکاف کی یہ فضیلت ہے تو دس برس کے اعتکاف کی کیا کچھ مقدار ہوگی۔)

ف:۔ اس حدیث سے دو مضمون معلوم ہوئے اول یہ کہ ایک دن کے اعتکاف کا ثواب یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ اس کے اور جہنم کے درمیان تین خندقیں حائل فرما دیتے ہیں اور ہر خندق اتنی بڑی ہے جتنا بڑا آسمان و جہاں اور ایک دن سے زیادہ جس قدر زیادہ اعتکاف ہوگا اتنا ہی اجر زیادہ ہوگا علامہ شعرانیؒ نے کشف الغمہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ جو شخص عشرۂ رمضان کا اعتکاف کرے اس کو دو حج اور دو عمروں کا اجر ہے اور جو شخص مسجد جماعت میں مغرب سے عشاء تک کا اعتکاف کرے کہ نماز قرآن کے علاوہ کسی سے بات نہ کرے حق تعالیٰ شانہٗ اس کے لئے جنت میں ایک محل بنائے، دوسرا مضمون جو اس سے بھی زیادہ اہم ہے وہ مسلمانوں کی حاجت روائی کو دس برس کے اعتکاف سے افضل ارشاد فرمایا ہے اسی وجہ سے حضرت ابن عباسؓ نے اپنے اعتکاف کی پرواہ نہیں فرمائی کہ اس کی تلافی تو پھر بھی ہوسکتی ہے اور اس کی قضا ممکن ہے اسی وجہ سے صوفیاء کا مقولہ ہے کہ اللہ جل شانہ کے یہاں ٹوٹے ہوئے دل کی جتنی قدر ہے اتنی کسی چیز کی نہیں یہی وجہ ہے کہ مظلوم کی بددعا سے احادیث میں بہت ڈرایا گیا ہے۔ حضورؐ جب کسی شخص کو حاکم بنا کر بھیجتے تھے اور نصائح کے ساتھ یہ بھی اِتَّقِ دَعْوَۃَ الْمَظْلُوْمِ ارشاد فرماتے تھے کہ مظلوم کی بددعا سے بچو۔ ؎

بترس از آہ مظلوماں کہ ہنگام دعا کردن
اجابت از درِ حق بہر استقبال می آید

اس جگہ اس مسئلہ کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ کسی مسلمان کی حاجت روائی کے لئے بھی مسجد سے نکلنے سے اعتکاف ٹوٹ جاتا ہے اور اگر اعتکاف واجب ہو تو اس کی قضا واجب ہوتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ضرورت بشری کے علاوہ کسی ضرورت سے بھی مسجد سے باہر تشریف نہیں لاتے تھے حضرت ابن عباسؓ کا یہ ایثار اور دوسرے کی وجہ سے اپنا اعتکاف توڑ دینا ایسے ہی لوگوں کے مناسب ہے کہ دوسروں کی خاطر خود پیاس سے تڑپ تڑپ کر مرجائیں مگر پانی کا آخری قطرہ اس لئے نہ پئیں کہ دوسرا بھائی جو پاس لیٹا ہوا ہے وہ اپنے سے مقدم ہے، یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کا یہ اعتکاف نفلی ہو اس صورت میں [illegible]

رمضان المبارک

مولانا محمد اویس صاحب ندوی

زمان و مکان کے مختلف حصوں کو اپنے انوار خاص بخشا برکت بنانے والے پروردگار نے از راہ بندہ نوازی تمام سال کے اندر ایک ایسا مبارک مہینہ رکھا ہے جس کی برکت اور نورانیت روز روشن کی طرح عیاں ہے یہ رمضان کا مہینہ ہے جس کے آتے ہی عالم بالا کے اہتمام و انتظام کا عجیب حال ہوتا ہے جنت کے دروازے کھل جاتے ہیں جہنم کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔ شیاطین مقید کر دیے جاتے ہیں۔ پکارنے والا پکارتا ہے کہ اے نیکی کے چاہنے والے آگے بڑھ اور اے بدی کرنیوالے بدی سے رک جا۔

جنت تمام سال اس ماہ مبارک کے لئے سنورتی ہے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "جس نے اس مہینہ میں ایک نفل نیکی کی گویا اس نے دوسرے زمانے میں ایک فرض ادا کیا اور جس نے اس زمانے میں ایک فرض ادا کیا گویا اس نے اور زمانے میں ستر فرض ادا کئے۔ یہ مہینہ صبر کا ہے اور صبر کا بدلہ جنت ہے یہ مہینہ غمخواری کا ہے اس ماہ میں مومنوں کے رزق میں برکت دی جاتی ہے اس مہینہ کا پہلا عشرہ رحمت ہے دوسرا عشرہ مغفرت ہے اور تیسرا عشرہ جہنم سے آزادی ہے"۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ کا حکم ہے کہ شعبان کے چاند کا خیال رکھو رمضان کے لئے۔

(ترمذی)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ذات رسالت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ماہ مبارک کا کس قدر انتظار رہتا تھا۔

صحیح روایات میں ہے حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) شعبان کے مہینہ میں کثرت سے روزے رکھتے تھے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لمعات میں ان روزوں کی حکمت یہ بیان فرماتے ہیں کہ:۔

"ماہ رمضان المبارک کے برکات قبول کرنے کی زائد زائد صلاحیت پیدا کرنے کے لئے یہ روزے رکھے جاتے تھے"۔

شرح سفر السعادت میں فرماتے ہیں کہ:۔

"بعض لوگ کہتے ہیں کہ ماہ شعبان میں حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے روزوں کی کثرت کی وجہ یہ تھی کہ رمضان کے مہینے کی لذت و حلاوت بڑھ جائے"۔

الحاصل گیارہ مہینے کے صبر اور انتظار کے بعد یہ مبارک مہینہ پھر ہمارے درمیان جلوہ افروز ہوا ہے۔ کاش ان مبارک دنوں اور راتوں کی ہم قدر کرتے ان کے حقوق ادا کرتے، کیا خبر دوبارہ اس جہان عزیز سے ہماری ملاقات نہ ہو۔ پھر کیوں نہ جی بھر کے اس کا اعزاز و اکرام کیا جائے۔ اور کیوں نہ اس کی برکات سے نفع اٹھایا جائے۔

اس ماہ کی مخصوص عبادتیں روزہ، تراویح، شب قدر کی فکر و تلاش اور اعتکاف ہیں۔ ان میں مشترک طور پر ایک بنیادی بات قابل توجہ ہے پہلے اس کو سمجھ لیا جائے اس کے بعد دوسری باتوں کے متعلق عرض کیا جائے گا۔

بخاری اور مسلم میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ "جس نے رمضان کے روزے یقین اور احتساب کے ساتھ رکھے اس کے پچھلے گناہ معاف کئے گئے جس نے یقین و احتساب کے ساتھ رمضان کی راتوں میں (تراویح) پڑھی اس کے پچھلے گناہ معاف کئے گئے، جس نے شب قدر میں یقین اور احتساب کے ساتھ قیام کیا (یعنی نماز پڑھی) اس کے پچھلے گناہ معاف کئے گئے"۔

غور فرمایئے اس روایت میں یقین اور احتساب کو بار بار دہرایا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یقین اور احتساب بہت ہی اہم چیز ہے اور ان عبادات کی روح ہے۔

حضرت مولانا انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "احتساب کا لفظ احادیث میں اکثر استعمال ہوا ہے۔ جاننا چاہیئے کہ اعمال میں ایمان کا شرط کا ہونا تو ظاہر ہے اس لئے کہ ایمان کے بغیر عبادت کا کوئی اعتبار نہیں۔ باقی رہا احتساب تو اس کا منشاء یہ ہے کہ جو عمل ہو وہ غفلت کے ساتھ نہ ہو بلکہ اس میں اس کا شعور موجود ہو اور نیت کا استحضار ہے گویا احتساب کا مفہوم و مقصد نیت سے بھی آگے ہے۔

منشا یہ ہے کہ یہ عبادات محض اسماء اور عادۃ نہ ہوں بلکہ ان کے مقصد اور اغراض کا احساس بھی اور بیدار رہے کہ ان عبادات کی غایت کیا ہے؟ اور کس یاد اور لحاظ میں یہ سب کچھ ہو رہا ہے سچ پوچھئے تو یہ شعور یہ احساس اور یہ استحضار صرف روزہ اور تراویح کے لئے نہیں بلکہ ہر عبادت کے لئے ضروری ہے اس کے بغیر بندگی کا ذوق اور حاسہ تسکین نہیں پاتا۔

اب اس ماہ کی مخصوص عبادتوں پر ایک نظر ڈال لیجئے۔

روزہ:۔ قرآن مجید میں رمضان کے روزوں کے متعلق جو بات مقصد اور غایت کے طور پر کہی گئی وہ یہ کہ روزہ کا اصل مقصد تقویٰ کا حصول ہو ارشاد فرماتا ہے۔

یا ایہا الذین آمنو کتب علیکم الصیام
کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون

اے ایمان والو! تم پر بھی روزہ اسی طرح فرض کیا گیا جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تاکہ تم تقویٰ حاصل کرو۔

تقویٰ دراصل دل کی اس کیفیت کو کہتے ہیں جو انسان کو گناہوں سے نفرت اور اطاعت کی رغبت دلائے روزہ بلکہ تمام عبادات کا حاصل یہی تقویٰ ہے روزہ داروں کو محاسبہ کرنا چاہیئے۔ کہ ان کے روزہ سے ان کے اندر یہ کیفیت پیدا ہوئی ہے یا نہیں؟

حافظ ابن قیم نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا یہ قیمتی مقولہ نقل فرمایا ہے کہ "جب تم اپنے قلب کے اندر عمل کے حلاوت اور انشراح نہ محسوس کرو تو اپنے عمل کو ناقص سمجھ لو اس لئے کہ حق تعالیٰ شکور ہیں یعنی وہ اپنے بندوں کے اعمال کا بدلہ دنیا میں حلاوت انشراح اور قوت قلب سے بھی ضرور دیتے ہیں اگر کوئی اپنے اندر یہ نہیں پاتا ہے تو سمجھے کہ عمل میں کمی ہے۔

بہت سے لوگ روزہ رکھتے ہیں مگر ان کے اندر تقویٰ کی کیفیت نہیں پیدا ہوتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ روزے کے حقوق نہیں ادا کرتے اور ان کے شرائط نہیں پورے کرتے ورنہ ان عبادات کے اثرات ضرور ظاہر ہوں۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب کا ملفوظ ذیل اس سلسلے میں پڑھنے کے لائق ہے۔

"انبیاء علیہم السلام مثل حکماء کے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام نے جو اعمال کی خاصیتیں بیان کی ہیں! یہ ایسی ہیں جیسے اطباء نے ادویہ کے خواص بیان کئے ہیں۔ مثلاً گل بنفشہ کی خاصیت یہ ہے اور فلاں دوا کا یہ اثر ہے! لہٰذا اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اگر اس کے ساتھ کوئی منافی چیز بھی استعمال کی جائے تب بھی وہی اثر ہوگا۔ بلکہ اس کی خاصیت مقید ہوتا ہے۔ بعض شروط کے ساتھ اگر وہ شرط پائی جاتی ہے تو وہ خاصیت ظاہر ہوتی ہے ورنہ نہیں۔

روزہ صرف بھوکے اور پیاسے رہنے کا نام نہیں ہے بلکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے روزے کی حالت میں منع فرمایا ہے زبان پر فحش کلمہ لانے سے، لڑنے بھڑنے سے اور لڑنے والے کا جواب دینے سے نیز ارشاد فرمایا ہے کہ:۔

"اگر روزہ کی حالت میں کوئی شخص بدزبانی کرے اور گالی بکے تو تم یہ جواب کہہ کر الگ ہو جاؤ کہ میں روزے سے ہوں"۔

(سفر السعادۃ مجد الدین فیروز آبادی)

صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ:۔

"جو شخص روزہ رکھ کر جھوٹ بولنا اور بدکاری اور حسب روایت نسائی، جہالت نہ چھوڑے سو خدا کو اس کی ضرورت نہیں کہ وہ خواہ مخواہ کھانا پینا بھی چھوڑ کر رہے اصل مقصد و مصلحت تو یہ ہے کہ انسان ہر قسم کی برائی اور بدی اور گناہ سے بچے اور ریاضت و مجاہدہ سے نفس کو صفائی اور تربیت حاصل ہو تو جب یہی مقصد حاصل نہ ہوا تو ایسی حالت میں محض کھانے پینے سے منہ بند رکھنے کا کیا نتیجہ ہوا!"

(شرح سفر السعادۃ شیخ عبدالحق)

مطلب یہ کہ روزہ کے ثمرات و برکات اسی وقت

حاصل ہوں گے جب روزے کے ظاہری اور باطنی آداب خیال رکھا جائے اور اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کا پورا لحاظ رکھا جائے بے شبہ آج ہم رمضان میں کھانا پینا چھوڑ دیتے ہیں اور اس اعتبار سے ہم شریعت کے فتوی کو اپنے سے بچا سکتے ہیں لیکن کیا واقعی ہمارے دل اور روح کو بھی روزہ نصیب نہیں ہوتا؟

ایک حدیث میں حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ روزہ برائیوں سے روکنے کی ڈھال ہے جب تک اس میں سوراخ نہ کرو۔ صحابہؓ نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ اس میں سوراخ کس چیز سے ہوتا ہے؟ فرمایا جھوٹ اور غیبت سے"!

مختصر یہ کہ روزے کی حالت میں ہماری آنکھوں کانوں زبانوں ہاتھ پیر سب کو روزہ کی کیفیت نصیب ہونا چاہیئے

روزے کے سلسلے میں دو باتوں کا خاص خیال رکھنا چاہیئے ایک یہ کہ کچھ لوگ سحر نہیں کھاتے ہیں اور اس کو اپنی شجاعت جانتے ہیں ایسا نہ کرنا چاہیئے اگر نقصان کا اندیشہ نہ ہو تو اتباع سنت کے خیال سے کچھ نہ کچھ ضرور کھا لینا چاہیئے، کچھ نہ ہو تو ایک گھونٹ پانی میں کیا مضائقہ ہے۔ حضور صلعم کا ارشاد ہے کہ سحر کھاؤ اس میں برکت ہے۔ ارشاد فرمایا کہ ہمارے اور اہل کتاب کے روزوں میں فرق یہ ہے کہ وہ سحر نہیں کھاتے اور ہم کھاتے ہیں۔

کچھ لوگ ایسے ہیں کہ ان کے برعکس سحر میں اس قدر اہتمام اور انتظام کرتے ہیں کہ پورا وقت اس میں صرف ہو جاتا ہے کہ وہ کسی معصیت کے مرتکب تو نہیں ہوتے لیکن ایسے قیمتی وقت کو محض خورد و نوش میں ضائع کرنا کوئی اچھی بات نہیں ہے یہ وہ قیمتی وقت کہ اس کی فضیلت میں متعدد آیات قرآن اور احادیث نبوی موجود ہیں اللہ تعالیٰ اس دنیا کے آسمان پر جلوہ افروز ہوتے ہیں۔ الغرض عجیب نور ظہور کا وقت ہوتا ہے اور خدا کی طرف متوجہ ہونے کا بہترین موقع ہوتا ہے اس لئے اس وقت کی قدر کرنا چاہیئے۔

دوسری لائق توجہ یہ ہے کہ لوگ افطار کے اہتمام میں اس طرح مصروف ہوتے ہیں کہ ارشاد نبوی غالباً ان کے ذہنوں سے ذہول کر جاتا ہے کہ:۔

"روزہ دار کے لئے دو خوشیاں ہیں ایک خوشی افطار کے وقت اور دوسری خوشی اپنے رب سے ملاقات کے وقت"۔

افطار کے وقت یہ خوشی ایسی خاص خوشی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خوشی کا اور حضرت حق جل شانہ کی ملاقات کی خوشی کو ایک ساتھ بیان فرمایا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ روزے کی نورانیت اور جذبہ اطاعت و بندگی سے چونکہ مومن کا قلب منور ہوتا ہے اس لئے وہ اس وقت اپنے اندر ایک خاص کیفیت محسوس کرتا ہے اور حضور و شہود کے عجیب عالم میں ہوتا ہے۔

بروائے عقل نامحرم کہ امشب با خیال او
عجب خوش خلوتے دارم کہ من ہستم محرم

اس لئے اس خوشی کو محض کھانے پینے تک نہ محدود رکھنا چاہیئے بلکہ اس سے بلند ہو کر کچھ سوچنا چاہیئے اور اس کی فکر کرنا چاہیئے۔

قیام رمضان:۔ ابھی آپ ارشاد نبوی پڑھ چکے ہیں کہ جس نے ایمان و احتساب کے ساتھ پورے مہینے (تراویح) پڑھی اس کے پچھلے گناہ معاف کئے گئے یہ کوئی معمولی نعمت نہیں ہو مگر افسوس کہ ہماری غفلت اس دولت کی بھی قدر نہیں کرنے دیتی اور ہم یہ خیال نہیں کرتے کہ یہ راتیں ہمیشہ میسر نہ آئیں گی۔ کتنے مسلمان ہیں جو اس دولت سے کلیۃً محروم رہتے ہیں۔ اور کتنے ایسے ہیں جو چند دن میں ایک قرآن سن لیتے ہیں اور پھر اپنے کو فارغ سمجھ لیتے ہیں حالانکہ سنت پورے مہینے تراویح پڑھنا ہے جو لوگ تراویح کا التزام بھی رکھتے ہیں رنج کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ عموماً ان کے سامنے رکعت شمار ہوتی ہے۔ الا ماشاء اللہ۔

حضرت نبی کریم صلعم کا ارشاد ہو

"کتنے قیام کرنے والے (یعنی تراویح پڑھنے والے) ہیں کہ ان کو قیام میں بے خوابی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا"۔ (دارمی)

رمضان کی راتوں کو غفلت اور سستی کی وجہ سے ضائع نہ کرنا چاہیئے۔ بلکہ خضوع و خشوع کے ساتھ تراویح پڑھنا چاہیئے تراویح میں دو منفعتیں ہیں اول تو یہ کہ تراویح پڑھنے کی سنت ادا ہوتی ہے دوسرے یہ کہ قرآن مجید سننے اور سنانے کا شرف حاصل ہوتا ہے۔ اور قرآن مجید کو رمضان شریف کے بابرکت مہینے سے جو ربط و تعلق ہے وہ ظاہر ہے۔

قرآن مجید اسی مہینے میں نازل ہوا حضرت جبرئیل علیہ السلام رمضان کی ہر رات کو حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات فرماتے اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کو حضرت قرآن مجید سناتے تھے حضورؐ کے سامنے ــــ حضرت جبرئیل نے دو مرتبہ قرآن مجید سنایا غرض قرآن مجید کو ماہ رمضان سے خاص مناسبت ہے اور تراویح میں اس مناسبت سے نفع اٹھانے اور قرآن سنانے کا شرف حاصل ہو جاتا ہے۔

آخری عشرہ:۔ رمضان المبارک کا آخری عشرہ اپنے اندر برکتوں کا خزانہ رکھتا ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ارشاد فرماتی ہیں

"حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرہ میں اس قدر مجاہدہ فرماتے تھے کہ اس کے سوا کبھی اتنا مجاہدہ نہیں فرماتے۔ جب آخری عشرہ آتا تو حضور عبادت کے لئے خود کمر بستہ ہو جاتے شب بیداری فرماتے اور اہل و عیال کو بھی شب بیدار رکھتے"۔ (بخاری و مسلم)

اعتکاف:۔ یہی وہ عشرہ ہے جس میں حضورؐ اعتکاف فرماتے تھے۔ اعتکاف سنت موکدہ علی الکفایہ ہے یعنی ایک بستی میں بعض کے ادا کرنے سے سب کی طرف سے ادا ہو جاتا ہے۔ جس خوش نصیب کو موقع ہو وہ اس نعمت عظمیٰ کو ضرور حاصل کرے۔ اعتکاف کا مطلب یہ ہے کہ بندہ طلب تام کے ساتھ بارگاہ خداوندی میں حاضر ہے اور قرب و معیت کا لطف اس کو حاصل ہے۔

یہ سنت بعض مقامات پر بالکل مردہ ہے راقم السطور کو خود ایسی بستیوں میں جانے کا اتفاق ہوا ہو جہاں کے لوگ اعتکاف کو جانتے بھی نہیں ہیں اور اس کے برعکس کہیں ایسا بھی ہو کہ اعتکاف محض رسم کے طور پر کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو اخلاص نصیب فرمائے اور عقائد و اعمال میں سچائی نصیب فرمائے یہ دونوں پہلو دردناک اور تکلیف دہ ہیں۔

شب قدر:۔ یہی وہ عشرہ ہے جس میں وہ مبارک رات آتی ہے جو اپنے برکات کے اعتبار سے ہزار مہینوں سے بہتر ہے اسی رات کو حضرت جبرئیل علیہ السلام فرشتوں کو لے کر اترتے ہیں اور ہر اس بندے کے لئے جس کو خدا کی یاد میں پاتے ہیں دعا کرتے ہیں۔

مختصر یہ کہ یہ مہینہ خدا کی خاص رحمتوں اور برکتوں کا مہینہ ہے اور بندے کی طرف سے ریاضت اور مجاہدہ کا موسم بہار ہے۔ ہم جس قدر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوں گے اور ان کی طلب و جستجو میں اپنا وقت صرف کریں گے انشاء اللہ اسی قدر بلکہ اس سے زائد خیرات و برکات سے فیضیاب ہوں گے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص شب قدر میں ایمان و احتساب کے ساتھ کھڑا ہوا (یعنی اس رات میں نوافل پڑھے) تو اس کے پہلے سب گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔

(بخاری و مسلم)

(ف) اس حدیث میں بھی قیام لیلۃ القدر کے موجب مغفرت ہونے کو ایمان و احتساب کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے۔

اعمال کی فضیلتوں میں شرط عام ہے

ہر عمل میں فضیلت اور روحانیت اسی ایمان اور احتساب سے آتی ہے، بلکہ یہ وہ اکسیر کی بوٹی ہے کہ مباحات کو طاعات اور عادات کو عبادات بنا دیتی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "شب قدر میں حضرت جبرئیل فرشتوں کی ایک جماعت کے ساتھ اترتے اور اللہ کے جو بندے کھڑے یا بیٹھے عبادت و ذکر الٰہی میں مشغول ہوتے ہیں ان کے واسطے یہ سب فرشتے خیر و رحمت کی دعا کرتے ہیں۔ ......

(بیہقی فی شعب الایمان مشکوۃ)

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

مولانا سید طلحہ صاحب حسنی ایم اے مرحوم

سابق پروفیسر اورینٹل کالج لاہور

ان کو مطالعہ میں بڑا انہماک تھا، اور ان کی اصل غذا ذوق اور ہابی HOBBY کسی نئی مفید کتاب کا پڑھنا تھا، کوئی پر از معلومات و پر مغز کتاب مل جاتی تو ان کو دنیا و مافیہا کا ہوش نہ رہتا اس کا مطالعہ بھی کرتے اور اس کا پاس بیٹھنے والوں سے تذکرہ بھی، مطالعہ کے وقت ان کے لئے [illegible] کتاب ان کی ہو سرخ پنسل ضروری تھی، جو مقامات پسند آتے ان پر سرخ پنسل پھیر کر بالکل رنگین کردیتے، بعض اوقات کتاب دیوالی کا کھلونا معلوم ہوتی ان پر ایک ایک ورق میں ایک ایک صفت اور ایک ایک کتاب حاوی رہی ہے میں نے "الندوہ" (دور سوم) کی ادارت کے زمانہ میں مشاہیر اہل علم کو اپنی محسن کتابوں کا تذکرہ کرنے اور مصنفین و کتابوں سے متاثر کے اظہار کی دعوت دی، ہندوستان کے متعدد نامور اہل علم نے اس موضوع پر خامہ فرسائی کی، میری فرمائش اور اصرار پر انھوں نے بھی اس بحث میں حصہ لیا، ان کا مضمون بڑا پر از معلومات اور اساتذہ و طلبہ کے لئے خاص طور پر مفید اور معلومات افزا ہے ان مضامین کا مجموعہ میرے محترم دوست مولانا حافظ محمد عمران خاں صاحب ندوی نے "مشاہیر اہل علم کی محسن کتابیں" کے نام سے شائع کردیا ہے اس میں ان کے اصل خیالات اور علمی و تعلیمی زندگی کے تجربات دیکھے جاسکتے ہیں۔

مولانا کو صرف و نحو کی تعلیم میں ملکہ راسخ حاصل تھا، انکی تعلیم میں نظری مسائل و جزئیات سے زیادہ عملی مشق اور قواعد کا اجرا ملحوظ رہتا، انھوں نے صرف و نحو کے علمی مسائل کا جن کی روزمرہ کی زندگی میں ضرورت پڑتی ہے ایک مختصر سا نصاب اور فہرست تیار کرلی تھی، اور پہلے وہ انھیں کی مشق کرتے تھے۔ میری صرف و نحو کی محدود علمی صلاحیت زیادہ تر انھیں کی رہین منت ہے۔ میرے علاوہ ان کے حقیقی بھانجے برادر عزیز مولوی سید احمد الحسنی جن کو عربی انگریزی کی یکساں قدرت ہے اور عربی اہل زبان کی طرح بولتے ہیں، اور خواہرزادہ عزیز محمد ثانی سلمہ کو صرف نحو میں ان سے استفادہ کا خاص موقع ملا، وہ غلطی کو بہت مشکل سے معاف کرتے تھے اور کئی روز تک اور بعض اوقات ہفتوں تک اس پر ملامت اور تکلیف کے اظہار کا سلسلہ جاری رہتا تھا اس کی وجہ سے دوبارہ غلطی کی ہمت نہ پڑتی، اور بہت چوکنا رہنا پڑتا۔ میں نے ان سے ادب اور زبان کی بھی کتابیں پڑھیں لیکن زیادہ تر استفادہ صرف و نحو میں تھا، وہ سیبویہ کی الکتاب کے بڑے عاشق و شیدائی تھے، اسی طرح زمخشری کی مفصل کو بھی بہت پسند کرتے تھے اور اس سے طلباء کو روشناس کراتے رہتے تھے ابن حاجب کی دو مشہور کتابوں میں سے کافیہ کو نا پسند کرتے تھے مگر "شافیہ" کی بڑی تعریف کرتے تھے اس کی شرح رضی کو بھی بہت سراہتے تھے [illegible] کی کتابوں میں "المزہر" ان کے بہت مطالعہ میں آتی تھی، اور ادب کے طلباء کو اس کے پڑھنے کی بہت ترغیب دیتے تھے دینیات میں ان کو صحیح بخاری سے محبت و عقیدت نہیں عشق تھا، یہ بقول ان کے نتیجہ تھا مولانا سیف الرحمن صاحب کی تعلیم کا جو بخاری کے شیدائیوں میں تھے، مولانا طلحہ صاحب اس کی کوئی حدیث یا سند کا ٹکڑا جھوم جھوم کر پڑھتے اور اس کے مطالعہ سے سیری نہ ہوتی۔ ہدایہ کے بھی وہ بڑے قائل تھے اور ان کا خیال تھا کہ اس کے پڑھنے سے فقہ حنفی سے مناسبت پیدا ہوجاتی ہے اپنے ادبی ذوق اور فن بلاغت سے مناسبت کی وجہ سے کشاف کے بڑے دلدادہ تھے اور وہ اکثر ان کے مطالعہ میں رہتی ادبیات و شعریات میں وہ شعر العجم کے بڑے گرویدہ اور فریفتہ تھے مولانا شبلی کے طرز تحریر و سوانح نگاری کے بڑے قائل و معترف تھے، آزاد کی آبحیات بھی وہ بہت مزے لے کر پڑھتے تھے،

مجھے ان کی کتابی تعلیم سے زیادہ ان کی علمی صحبتوں سے نفع پہونچا، اور اس میں کوئی مبالغہ نہیں کہ میرے ذہن کی تربیت و تشکیل اور میرے ذوق و معلومات میں جس کو ایک مفرد لفظ "ثقافت" سے تعبیر کیا جاسکتا ہے ان کا بہت بڑا حصہ ہے ان کا ایک بڑا تعلیمی فیض یہ تھا کہ اپنی تحریر کو بار بار شک و تنقید کی نگاہ سے دیکھنے، عربی الفاظ و صلات کے صحیح استعمال کا اطمینان کرنے اور معاجم و کتب لغت کی طرف بار بار مراجعت کرنے کی عادت پڑگئی ہندوستانی علماء اور عربی میں لکھنے والوں کے لئے بڑی آزمائش یہ ہے کہ اردو میں سینکڑوں الفاظ عربی کے استعمال ہوتے ہیں۔ مگر ہندوستان میں آنے کے بعد ان کے معنی و مفہوم اور محل استعمال اکثر بدل گئے ہیں، عربی ساخت ہونے کی وجہ سے ہندوستانی ان کو اپنی تحریروں میں بے تکلف استعمال کرتے ہیں لیکن ٹھیٹھ عرب اور ادیب ان کے وہ معنی ہرگز نہیں سمجھ سکتے جو ہندوستان میں سمجھے جاتے ہیں۔ مولانا طلحہ صاحب ان الفاظ کے بارے میں بڑی احتیاط کرتے تھے، اور ان کا شک اور تامل وہم کی حد تک پہونچ گیا تھا، لیکن عربی کے ایک مضمون نگار کی حیثیت سے جس کی تحریروں کے اصل مخاطب اہل عرب تھے مجھے ان اس شک اور احتیاط سے بڑا فائدہ پہونچا۔

ان کا دوسرا ذوق مجلس آرائی، لطف صحبت اور علمی [illegible] کرتے تھے۔ ان کو ہر جگہ اور ہر دور میں ایسے لوگوں کی تلاش رہتی جو ان کی فراغت کے اوقات میں گھنٹوں ان کے پاس بیٹھیں اور گفتگو میں شریک ہوں، ان کو بہت دیر میں نیند آتی تھی اس لئے دیر رات تک ان کی مجلس بھی رہتی وہ کسی کو اٹھنے نہ دیتے بعض اوقات یہ بہت سے عزیزوں اور شاگردوں کے لئے جو پورے طور پر ایسی علمی مجلسوں سے لطف نہ اٹھا سکتے یا جلد سوجانے کے عادی اور نیند کے بیمار تھے۔ بڑی آزمائش کی بات ہوتی۔ اور مجھ جیسے کم ہمت تو اکثر اس سے منہ چراتے اور کوئی نہ کوئی بہانہ کرکے رخصت ہوجاتے اسی درمیان میں اگر کوئی ستارہ طلوع ہوجاتا یا تاروں بھری رات ہوتی اور ان کو کسی ضرورت سے باہر آنا ہوتا تو وہ اپنے ہمنشینوں کو اس موقع سے فائدہ اٹھانے اور ان ستاروں سے واقف ہونے پر اصرار کرتے، ان مجلسوں میں وہ جن لوگوں سے زیادہ مانوس ہوتے ان کو شریک کرنے اور دیر تک اپنے پاس بیٹھنے پر اصرار کرتے، یہ خصوصیت عزیزوں میں مجھے اور خواہرزادہ عزیز مولوی محمد ثانی سلمہ و نیز محترمی سید عقیل صاحب (جو ان کے پھوپھی زاد بھائی تھے) اور عزیز سید عاصم حسنی کو حاصل تھی، عزیزی محمد ثانی سلمہ پر وہ بہت شفیق تھے اور ان کی سعادت و صلاحیت سے بہت متاثر، تاریخی سنین فرائض اور نجوم میں بھی ان کو ان سے بہت فائدہ پہونچا اور بہت سے چٹکلے انھوں نے ایسے یاد کرائے جو بڑی بڑی کتابوں میں نہیں ملتے، اہل علم اور دوستوں میں مولانا شاہ حلیم عطا صاحب سلونی مرحوم سابق شیخ الحدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء، مولانا حکیم حسن مثنیٰ صاحب امروہی مرحوم سے ان کو بہت لطف و موانست تھی اور وہ ان کے بہت کچھ ہم مذاق اور شریک کمال تھے، اساتذہ میں مولانا حیدر حسن خاں صاحب سے ان کی خاص صحبت و مجلس رہتی اور جب کبھی لکھنؤ کے قیام میں وہ مولانا کے پاس ندوہ آجاتے تو آدھی آدھی رات تک دونوں کی باتیں رہتیں۔ گذشتہ تاریخ و واقعات کے دفتر کھل جاتے، اس مجلس کا خاص موضوع ٹونک سے اخراج[1] کے واقعات و اسباب اور اس کی اہم شخصیتیں اور کردار ہوتے تھا کہ صبح کو مولانا حیدر حسن خاں صاحب شکایت کرتے سنا کہ میاں طلحہ نے رات بھر سونے نہیں دیا لیکن اگلی رات پھر یہی ہوتا اور مولانا شدت تعلق اور اس دلچسپ و مشترک موضوع کی وجہ سے پھر رات بھر نیند ان کی نذر کردیتے مگر اپنی روحانی قوت و علمی ذوق کی وجہ سے مطالعہ و تدریس اور پھر طبیعت کی شگفتگی میں فرق نہ آنے دیتے۔

معاصر اہل علم دین میں وہ مولانا انور شاہ کشمیری کے وسعت مطالعہ اور وسعت معلومات کے بڑے قائل تھے، دیوبند و لاہور میں ان سے ملاقاتیں ہوتی رہتی تھیں۔ اور جب کبھی شاہ صاحب کا کشمیر جاتے ہوئے لاہور اسٹیشن سے گذر ہوتا تو وہ پابندی سے ملاقات کیلئے جاتے اور پھر اس مجلس کا لطف و افادہ دیکھنے کے قابل ہوتا۔ شاہ صاحب بھی ان سے بہت مانوس و بے تکلف تھے۔ فہم و فراست اور زندگی کے وسیع تجربوں اور حقیقت پسندی کے سلسلہ میں وہ اپنے استاد مولانا سیف الرحمن صاحب مہاجر کے بڑے قائل و مداح تھے۔ اور اکثر ان کا تذکرہ کرتے، تقویٰ و ورع و زہد میں اپنے خاندان کے دو بزرگوں، مولانا سید محمد عرفان ٹونکی اور ان کے برادر اصغر مولانا سید مصطفیٰ صاحب ٹونکی کے بڑے معتقد اور انکی توصیف میں رطب اللسان رہتے۔ یہ دونوں حضرات حضرت سید احمد شہید کے حقیقی نواسے تھے اور عامل بالحدیث۔ ان دونوں خاندانی بزرگوں کے علاوہ وہ خاندان غزنویہ کے بزرگوں بالخصوص مولانا سید عبدالجبار صاحب غزنوی کا بڑی عقیدت و عظمت سے ذکر کرتے تھے اور ان کے بڑے موثر واقعات سناتے تھے۔

اپنے عزیزوں اور بزرگوں میں بلکہ طبقہ علما میں وہ والد مرحوم مولانا حکیم سید عبدالحی صاحب کی شخصیت و علمی کمالات سے بھی بہت متاثر تھے، انھوں نے اپنی دس برس کی عمر سے لے کر ان کی وفات تک ان کی زندگی کا ایک گھر میں رہ کر مطالعہ کیا تھا۔ ان کا تذکرہ بھی ان کی مجلس کا ایک خاص موضوع تھا وہ نظری طور پر تقلید کے پابند نہ تھے مگر عملاً اور تقریباً تمام معاملات و عبادات میں فقہ حنفی پر عامل تھے لیکن اسی کے ساتھ بزرگان دیوبند کے اخلاص و للہیت کے بڑے قائل و معترف تھے، حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب کا بڑے بلند الفاظ میں تذکرہ کرتے تھے، مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی نے جو لکھنؤ میں ہمیشہ ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحب مرحوم کے یہاں قیام فرماتے تھے اور اس تقریب سے اکثر مولانا سید طلحہ صاحب سے صحبت و مجلس رہتی بڑی عقیدت و تواضع سے ملتے، اور مولانا اکثر ان سے مزاح فرماتے، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کی حکمت دینی ان کے مواعظ اور کتابوں کی تعریف اور مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اخلاص کے بہت قائل تھے، نومبر ۱۹۴۳ء میں جب پھوپھی صاحبہ مرحومہ کے انتقال پر وہ نظام الدین آئے تو مولانا نے سید صاحب کے تعلق کی وجہ سے ان کا ایسا احترام کیا جو میں نے بہت کم لوگوں کا دیکھا ہے، سردیوں کا زمانہ تھا، انگیٹھی ذرا فاصلہ پر رکھی تھی دسترخوان بچھایا گیا تو مولانا ایک ایک روٹی گرم کرکے لاتے اور خود پیش کرتے یہ سلسلہ دیر تک جاری رہا اور مولانا نے صاحبزادہ گرامی منزلت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کو بھی اس کی اجازت نہیں دی کہ وہ یہ خدمت انجام دیں اس سفر میں وہ چند روز کے لئے میوات بھی گئے۔ چند روز حضرت مولانا عبدالقادر صاحب کی خدمت میں رائے پور بھی قیام کیا اور حضرت نے بھی بڑا احترام فرمایا۔

مولانا سید طلحہ صاحب میں زندہ دلی اور شگفتگی کوٹ کوٹ کر بھری تھی وہ اپنے لطیفوں اور بذلہ سنجیوں سے لوگوں کو ہنساتے اور راستہ چلتوں کو ٹھہرا لیتے۔ ہر بات میں کوئی پہلو ہوتا تھا نئے نئے نام رکھتے تھے، اور مزے مزے کی چٹکیاں لیتے تھے اس شگفتگی اور زندہ دلی میں سب سے پہلے اس وقت فرق آیا جب ان کے قابل فخر اور محبوب ترین بھائی سید محمد عمر صاحب حسنی انجینیر نے ۱۳۵۰ھ/۱۹۳۱ء میں ریاست جوناگڈھ میں انتقال کیا۔

سید محمد عمر صاحب مرحوم مکارم اخلاق، انسانی شرافت و محامد کا ایک عجیب نمونہ تھے، یہ موقع تفصیل سے اس تذکرے کا نہیں ہے۔ مولانا سید طلحہ صاحب ان کی شخصیت سے بے حد متاثر اور ان کی محبت سے سرشار تھے، وہ ان کو اپنے خاندان کا ایک نگینہ اور ہیرا سمجھتے تھے اور واقعہ بھی یہی تھا، ان کی بے نفسی، حلم، حمیت، فیاضی و ایثار اور ان کا توازن و اعتدال ان کے لئے روشنی کا ایک مینار تھا ان کے انتقال کے بعد ان کی طبیعت میں ایسا اضمحلال پیدا ہوا کہ ملازمت میں جی نہ لگا اور ۱۳۶۰ھ/۱۹۴۱ء میں خود اپنی خواہش سے اورینٹل کالج کی خدمات سے سبکدوشی حاصل کرلی، دوسرا حادثہ میری پھوپھی صاحبہ کے انتقال کا تھا اس نے کہنا چاہئے کہ ان کی کمر توڑ دی اور ان کی زندگی میں ایک عظیم تغیر رونما ہوگیا اگرچہ انھوں نے اس کے بعد دو عقد کئے بالکل آخر میں اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک لڑکا (سید داؤد سلمہ) عنایت فرمایا لیکن وہ شگفتگی دلی و بے فکری اور اطمینان ان کو پھر نصیب نہیں ہوا۔ ملازمت سے سبکدوشی کے بعد وہ زیادہ وقت لکھنؤ میں صرف کرنے لگے میرے بڑے بھائی ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحب مرحوم سے ان کو بڑا انس تھا اور ان کا ان کے پاس بہت جی لگتا تھا۔ غالباً ۴۴-۱۹۴۵ء میں انھوں نے لکھنؤ میں طویل قیام کیا اور ادارہ تعلیمات اسلام جو انگریزی داں لوگوں کو قرآن شریف سے متعارف کرنے اور آسان عربی سکھانے کے لئے قائم ہوا تھا اور جس کے ناظم و روح رواں ہمارے دوست مولانا عبدالسلام صاحب قدوائی ندوی (حال ناظم دینیات جامعہ ملیہ دہلی) تھے وہ کچھ وقت دیتے تھے، اس کے علاوہ ان کا سارا وقت مطالعہ اور لطف صحبت میں گذرتا وہ ۱۹۴۸ء میں پاکستان منتقل ہو گئے اور کراچی میں انھوں نے مستقل قیام کرلیا۔ پاکستان سے وہ صرف دو مرتبہ ہندوستان آئے ایک ۱۹۵۰ء میں لیکن اس وقت میرا قیام مصر و حجاز میں تھا اس لئے اس کے متعلق کچھ نہیں لکھ سکتا دوسری مرتبہ ۱۹۵۵ء کے آخر میں آئے غالباً چھ مہینہ کے قریب رہے، قیام کا بیشتر حصہ لکھنؤ و بھوپال میں گذرا، لکھنؤ میں وہ عرصہ تک دارالعلوم ندوۃ العلماء میں مقیم رہے جہاں وہ کتب خانہ میں اپنی زیر تصنیف عربی کتاب "عہد صحابہ کا تمدن" کے لئے مواد جمع کرتے اور مطالعہ و تحریر کے کام میں مشغول رہتے تھے۔ دارالعلوم کے زمانہ قیام میں نوجوان اساتذہ نے ان کی علمی مجالس اور مذاکرات سے بہت فائدہ اٹھایا، بھوپال میں ان کے بعض بڑے پرانے احباب تھے جن میں ان کے فاضل دوست مفتی رضوان الرحمن صاحب اور ان کے عزیز شاگرد ملا حسن علی اور نور محل کے متعدد اعزہ و افراد خاندان خاص طور پر قابل ذکر ہیں بھوپال کے زمانہ قیام میں وہ حضرت شاہ محمد یعقوب صاحب مجددیؒ کی خدمت میں اکثر حاضر ہوا کرتے تھے۔ حضرتؒ بھی ان سے بہت مانوس اور ان کی وسعت معلومات اور تاریخ و رجال سے واقفیت کے بڑے معترف تھے میرے سامنے کئی مرتبہ ان کی تشریف آوری اور بعض علمی افادات کا ذکر فرمایا۔

کراچی میں کچھ عرصہ بعد ان کا تعلق دارالتصنیف لمیٹڈ سے ہوگیا یہ ادارہ مولانا طفیل احمد صاحب دیوبندی کی سرپرستی میں کام کررہا ہے ان کا کام یہ تھا کہ اس ادارہ کے ماتحت ہونے والے ترجمہ قرآن انگریزی پر نظر ثانی کریں اور اپنی وسیع دینی و لسانی واقفیت کی روشنی میں مشورہ دیں۔ مولانا طفیل احمد صاحب نے ان کی بڑی قدر و اعانت فرمائی اب ان کی عمر و صحت کسی ملازمت اور باقاعدہ تعلق کے قابل نہیں تھی، اگر اللہ تعالیٰ کراچی کے دین دار اہل ثروت کو عقل و توفیق سے بہرہ یاب فرماتا تو ایسے صاحب کمال و جامع صفات عالم کو عزت و سکون کے ساتھ اپنے گھر میں بیٹھ کر اور آزادی کے ساتھ مطالعہ و افادہ میں مصروف رہ کر با اطمینان زندگی گذارنے کا موقع فراہم کرتے، لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اور یہ زمانہ انکے بڑے تفکر اور تنگی میں گذرا جس کا تعلق ان سب عزیزوں اور شاگردوں اور احسان مندوں کو عمر بھر رہے گا جنھوں نے لاہور میں ان کے مکان پر مہینوں اور برسوں رہ کر تعلیم حاصل کی جن کی فہرست خاصی طویل ہے وہ بعد مکانی یا قانونی دقتوں کی وجہ سے خدمت سے قاصر رہے۔

ادھر پے درپے ایسے حوادث پیش آئے کہ انھوں نے ان کی زندگی کو اور بے لطف بلکہ مجموعہ آلام بنادیا، ان کو اپنے منجھلے بھائی سید عمر صاحب کے بعد سب سے زیادہ محبت اپنی اکیلی بہن والدہ برادر عزیز سید احمد الحسنی سلمہ سے تھی ۱۹۵۵ء میں انھوں نے دفعتاً داغ مفارقت دیا، چند ہی روز کے فصل سے آگے پیچھے ان کے سب سے بڑے بھائی ابو حمزہ سید زبیر حسنی صاحب نے انتقال کیا اور کچھ ہی عرصہ بعد ان کے سب سے چھوٹے بھائی سید محمد علی صاحب حسنی نے جو تقسیم کے بعد ہندوستان میں تھے اور ۱۹۵۸ء میں کراچی منتقل ہوئے اور وہاں پہونچنے کے صرف نو مہینہ کے بعد اچانک اس دنیا سے کوچ کیا، دو بھائیوں اور ایک بہن کے پے درپے انتقال نے ان کی ساری شگفتگی، زندہ دلی ختم کردی، میری آخری ملاقات جب اپریل ۱۹۵۹ء کو کراچی کے ہوائی اڈے پر ہوئی تو وہ جب تک میرے پاس رہے روتے رہے، زار و نزار جسم جو کبھی پرگوشت اور وجاہت تھا، مرتعش جسم اور کانپتی ہوئی آواز دیکھ کر عبرت ہوتی تھی کہ یہ وہی انسان ہے جو اپنے جلوس میں کتنی بہاریں، کتنی دل نوازیاں، کتنی رونقیں اور کتنا لطف و انبساط رکھتا تھا۔ آج ایک مرقع عبرت اور تصویر حسرت بنا ہوا ہے۔

مولوی محمد حسین آزاد نے آب حیات میں میر سید انشاء کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ مولانا طلحہ صاحبؒ کے بھی حسب حال ہے وہ لکھتے ہیں۔

"بعض فلاسفر یونان کا قول ہے کہ مدت حیات جو انسان کی سانسوں کے شمار پر ہے، میں کہتا ہوں کہ ہر شخص جس قدر سانس یا حصہ رزق اپنا حصہ پاتا ہے اسی طرح ہر نے کو جس میں خوشی کی مقدار اور ہنسی کا اندازہ بھی داخل ہے، [illegible] سید موصوف نے اس ہنسی [illegible]

---

[1] ۱۹۲۰ء میں جب تحریک خلافت کا زور تھا بعض لوگوں کی ریشہ دوانیوں سے والی ریاست نواب ابراہیم علیخاں مرحوم کو سادات قافلہ سے جو حضرت سید احمد شہید کے اخلاف و اعزا تھے یہ اندیشہ ہوگیا تھا کہ وہ انکو بیدخل کرکے ریاست پر قبضہ کر لینگے اس سے متاثر ہوکر انہوں نے انکی جاگیریں ضبط کرلیں اور چند گھنٹے کے اندر ریاست چھوڑنے کا حکم دیدیا مولانا طلحہ صاحب کا سارا خاندان اس زد میں آگیا انکی جاگیریں ضبط ہوگئیں اور وہ لوگ اپنے قدیم وطن دائرہ شاہ علم اللہ رائے بریلی میں آکر مقیم ہوگئے نواب صاحب مرحوم کے انتقال کے بعد ان حضرات کو دوبارہ جانا نصیب ہوا مگر جاگیریں واپس نہ ہوئیں۔

آخری قسط

مولانا عبدالرؤف صاحب جھنڈا نگری

(دیکھئے شمارہ ۲۵ر ستمبر سنہ۲ء)

حالات حاضرہ میں صبر واستقامت کا پیغام

ان واقعات سے نصرت الٰہی کے خد وخال واضح معلوم ہو گئے۔ اب مدائن کے تاریخی واقعہ پر ایک نظر ڈالتے چلئے۔

(۲) جب حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے سلمان فارسیؓ سے دجلہ کی ہولناکی دیکھ کر مشورہ چاہا کہ ہم کشتیوں کا انتظار کریں یا خدا کا نام لے کر اس میں گھس پڑیں۔

حضرت سلمانؓ نے جواب دیا ہمارا دین دین برحق ہے اللہ اس کو غالب کرنا طے کر لیا ہے وہ زندگی کی تعمیر کرنا چاہتا ہے۔ ہمیں خیال بھی نہیں آسکتا کہ یہ کبھی شکست کھائے گا۔ اس دین کے آگے دریا کی کیا حقیقت ہے۔ یہ ایمانی عقل کا نمونہ ہے جو مسلمان پر چھا چکی تھی پھر حضرت سلمان فارسیؓ نے کہا۔ اگر اسلامی فوج میں گنہگار نہ ہوں تو بیڑا پار ہو کر رہے گا اور اللہ ضرور مدد کرے گا چنانچہ ہم اور آپ تاریخ پڑھتے ہیں کہ کس اطمینان و بے فکری سے اس لشکر نے پار کیا ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے خشکی پر چل رہے ہوں۔ چنانچہ طبری کے الفاظ میں جب ایرانیوں نے یہ منظر دیکھا تو بے اختیار پکار اٹھے کہ دیوان آمدند، دیوان آمدند، یعنی دیو آگئے دیو آگئے۔

ایسے ہی موقع پر علامہ اقبال کا یہ شعر ثابت ہوتا ہے

دشت تو دشت دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحر ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے
دی اذانیں کبھی یورپ کے کلیساؤں میں
کبھی افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں میں

(۳) **فتح اقلیت کی ایک اور مثال** جنگ جلولاء میں حضرت سعد بن ابی وقاص کے ساتھ سات ہزار کی فوج تھی اور مشرکین کی فوج کی تعداد ساٹھ ہزار تھی۔ راوی کے الفاظ یہ ہیں

کنا لا نزید علی سبعۃ آلاف والمشرکون یومئذ ستون الفا او نحو ذالک ومعہم الفیل

یہ قلیل تعداد اور اسلحہ کی جنگ کی قلت دیکھ کر خود دشمنوں نے کہا ارجعوا فانا لا نری لکم عدداً ولا عدداً لا نری لکم قوۃ ولا سلاحاً۔

لوٹ جاؤ ہم تمہاری ابھی تعداد بھی نہیں دیکھتے اور نہ ساز و سامان ہے نہ ہتھیار وغیرہ ہے۔

لیکن مسلمانوں نے دشمنی کے ساتھ خدا پر بھروسہ کر کے پورے ایمانی قوت کے ساتھ جنگ کی تو ان کو کامیابی حاصل ہوئی اور وہ جلولاء سے مدائن و نہاوند تک فتح کرتے چلے گئے (کتاب الخراج لابی یوسف ص۲۰)

اقبال مرحوم نے کیا خوب لکھا ہے

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ
مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ کافروں کی فوج میں ہاتھیوں کی بھی فوج تھی ایک سفید ہاتھی سب سے آگے تھا۔ مسلمان ہاتھیوں کے اس ریلے میں پسپا ہو رہے تھے۔ ایک مسلمان نے ہمت کر کے سفید ہاتھی کے نزدیک پہنچ کر ایک بیلچہ وار کیا کہ اس کا سونڈ جڑ تک سے کٹ کر الگ ہو گیا۔ اور یہ بل بلا کر بھاگا تو اس کے ساتھ ہی تمام ہاتھی بھاگے ان کے ہاتھی خود ان پر عذاب بن گئے۔ فوج میں بھگدڑ مچ گئی۔ اور کفار شکست خوردہ بھاگے مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا اور مدائن اور نہاوند تک فتح کرتے چلے گئے (ازالۃ الخفا شاہ ولی اللہؒ)

ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کی نصرت وحمایت حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہماری نیت میں اخلاص ہو۔ اعمال نیک ہوں، دلوں میں تقویٰ و پرہیزگاری ہو، نیکی وخیر پسندی کا جذبہ ہو، اس کی ذات پر ہمارا یقین کامل ہو تو آج بھی خدا کی نصرت اور حمایت ہمارے ساتھ ہوگی اور عزت و اقبال ہمارا قدم چومے گی۔

ایمان کی طاقت واعتماد علی اللہ

ایمان کی اصل طاقت اور اس کی عظیم قوت کے سلسلہ میں مفکر ملت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی دامت برکاتہم نے کیا خوب لکھا ہے کہ اگر واقعی پانی ہے تو سیراب کرے گا غذا اگر حقیقی غذا ہے تو ضرور قوت ہو جائے گی۔ دوا اگر واقعی دوا ہے تو اس سے شفا کی امید کی جائے گی۔ اور اگر واقعیت نہیں ہے تو سیراب آب زلال کا کام نہیں دے سکتا۔ آگ کی تصویر سے ہم روشنی وگرمی حاصل نہیں کر سکتے۔ یہی اشیاء کی فطرت اور کائنات کا نظام ہے۔

اسی طرح اگر ایمان زندہ اور تازہ دم ہو تو پہاڑ، یہ سمندر، یہ کائنات اسی کے سامنے جھکیں گے۔ اور ہزاروں سال کے آزمودہ اور قوانین فطرت بھی اپنے خواص وحصول سے ہٹ جائیں گے۔

بندوق کی اصل طاقت اس کی گولی ہے جو بندوق کارتوس سے خالی ہو اس کی میدان جنگ میں کوئی قیمت نہیں۔ اس کے مقابلہ میں لکڑی زیادہ مفید ثابت ہو سکتی ہے اس لئے کہ اسے طرح طرح سے استعمال کیا جا سکتا ہے آگ جب اپنی گرمی کھو دے تو اس کی کیا قیمت؟ نمک جب نمکینی کھو دے تو کنکر پتھر اس سے کہیں مفید اور قیمتی ہیں۔

یہی حال مومن کا ہے جب اس میں ایمانی حرارت ہوگی عزم کی صداقت ہوگی۔ خدا پر یقین واعتماد ہوگا تو یہ تمام اکسیر دا اعمال اور روحانی اشغال اپنا حقیقی اثر دکھلائیں گے۔ چونکہ آج مومن نے ایمان واعتماد علی اللہ کھو دیا ہے۔ اس کے دلوں سے تقویٰ اور پرہیزگاری رخصت ہو چکی ہے اور اخلاص واعتماد علی اللہ کی صفات سے وہ عاری ہے تو اس کی کوئی حقیقت باقی نہیں رہ گئی یہی وجہ ہے کہ آج خدا کی نصرت اور غیبی حمایت اسے حاصل نہیں ہے۔

نصرت الٰہی کی چند مثالیں

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی مختلف طریقہ سے مدد کرتا ہے۔ اور مجرموں سے واقعی انتقام لیتا ہے۔ ارشاد ہے: فانتقمنا من الذین اجرموا وکان حقاً علینا نصر المومنین۔

یعنی مجرموں سے ہم نے انتقام لیا اور ہمارے اوپر اہل ایمان کی مدد واجب ولازم ہے۔

(۱) اللہ نے غزوہ خندق میں اس طرح مدد فرمائی تھی ایسی تیز ہوا چلا دی کہ کنکر وپتھر اڑ کر کفار کے منہ پر گولی کی طرح لگنے لگے چولھے بجھ گئے دیگ زمین پر جا گرے ہوا کے جھونکے سے خیمے اکھڑ گئے گھوڑے رسیاں توڑ کر بھاگ نکلے اور اہل لشکر پریشان ہو گئے۔ آخر جنگی کمانڈر ابوسفیان نے طبل رحیل بجا دیا کوچ کا نقارہ بجا سارے مشرکین بھاگتے ہوئے خائب و خاسر واپس ہوئے ارشاد ہے

یا ایھا الذین آمنوا اذکروا نعمۃ اللہ علیکم اذ جاءتکم جنود فارسلنا علیہم ریحا وجنودا لم تروھا وکان اللہ بما تعملون بصیراً (احزاب)

یعنی اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو جس وقت تمہارے اوپر جھنڈ کے جھنڈ لشکر آیا تھا تو ہم تمہاری امداد کے لئے ہوا اور ایسے لشکر بھیج دیئے جن کو نہیں دیکھا اور اللہ تمہارے اعمال دیکھ رہا ہے۔

پس آپ نے اگر خدا راضی ہو تو آج بھی دشمنوں کی طاقت کو تہس نہس کر سکتا ہے۔ جہاں دشمنوں کے اور مخالفین کے کیمپ ہوں اور گولہ بارود اور مشین گن اور ٹینک وایٹم بم اور دیگر اسلحہ جات ہوں وہاں کی زمین کو حکم دے سکتا ہے کہ ایک زلزلہ میں سب کچھ تہس نہس کر دے اور زیر و بالا کر دے۔ اور خدا کی زمین ان تمام سامانوں، نوجوانوں اور سورماؤں کو اسی طرح آج بھی نگل سکتی ہے جس طرح موسیٰ کے مقابلہ میں قارون جیسے سورماؤں اور اس کے ساز و سامان اور خزانہ کی جملہ کوٹھریوں کو زمین نے نگل لیا تھا۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے

فخسفنا بہ وبدارہ الارض فما کان لہ من فئۃ ینصرونہ من دون اللہ وما کان من المنتصرین (قصص)

یعنی ہم نے اس کو اور اس کی کوٹھریوں کو زمین میں دھنسا دیا تو نہیں ہوئی اس کے لئے کوئی جماعت جو اس کی مدد کرتی اللہ کے سوا اور نہ خود اس کی مدد کی گئی۔

ایک زلزلہ سے بڑی بڑی عمارتیں الٹ پلٹ جاتی ہیں

اور پورا پورا علاقہ تباہ ہو جاتا ہے۔ تمام انجن، تمام اسلحہ اور فوجی چھاؤنیاں، ہوائی اڈے سب ایک اشارہ غیبی میں تباہ وبرباد ہو سکتے ہیں اور سارے نظام کو ایک چشم زدن میں خدا غارت کر سکتا ہے اکبر الہ آبادی مرحوم نے ایک زلزلہ سے ریلوے نظام کی بربادی پر جو کچھ لکھا اس کو سنئے۔ کیا خوب لکھتے ہیں۔

کئی دن سے سوتی ہے ای، آئی، آر
پڑا ہے بڑا لنک کا سب کاروبار
ہوا ڈاک گاڑی میں بھی انتشار
بیک گردش چرخ نیلوفری
نہ انجن بماند نہ انجنیری

حضرت جبرئیلؑ نے قوم لوط کی بستی کو اپنے ایک پر کے کونے سے اٹھا کر آسمان سے دے پٹکا تھا اسی طرح حکم خدا سے جبرئیلؑ فوجی چھاؤنیوں ہوائی جہاز کے علاقوں کی پوری بستی کو اپنے پر سے کاٹ کر ایک کونے پر اٹھا کر آج بھی پٹک سکتے ہیں۔ ان کے تین سو ساٹھ پر ہیں۔ ایک پر کے کونے پر انھوں نے قوم لوط کی پوری بستی کو اٹھا لیا تھا جہاں ۴ لاکھ انسان آباد تھے پوری بستی کو آسمان تک لے گئے وہاں مرغ کی آواز گونجی۔

اب سوچئے جس کے پر کے ایک کونے میں اتنی طاقت ہو اگر وہ سب پروں کو حکم الٰہی سے استعمال کریں تو کیا کچھ نہیں ہو سکتا۔

(۲) اسی طرح خداوند کریم نے غزوۂ حنین میں مسلمانوں کو شکست کے بعد فتح بخشی جب وہ شکست کھا کر عبرت پذیر ہوئے اور اپنی اکثریت پر خود اعتمادی کے بجائے خدا پر ان کا توکل صحیح طور سے قائم ہوا۔ حضرت عباسؓ کی نداء کے بعد سب منتشر افراد یا اصحاب البقرہ یا اصحاب الشجرہ کی آواز پر جمع ہو گئے تو پھر مسلمانوں کو فتح مبین حاصل ہوئی بہت سے مشرکین قید ہوئے ۲۴ ہزار اونٹ چالیس ہزار بکریاں ملیں اور چار ہزار اوقیہ چاندی، غزوہ حنین کی فتوحات میں حاصل ہوئیں (زاد المعاد جلد اول صفحہ ۳۴۰)

الحاصل مسلمانوں کو عظیم کامیابی اقلیت میں ہونے کے باوجود مشرق ومغرب میں حاصل ہوئی۔ حافظ ابن کثیر اپنی تفسیر میں کیا خوب لکھتے ہیں

فتحوا القلوب والاقالیم شرقاً وغرباً فی المدۃ الیسیرۃ مع قلۃ عددھم وعددھم بالنسبۃ الی جیوش سائر الاقالیم من الروم والفارس والترک والصقالبۃ والبربر واصناف السودان والقبط وطوائف بنی آدم قہروا الجمیع حتی علت کلمۃ اللہ وظہر دینہ علی سائر الادیان

یعنی مسلمانوں نے مشرق سے مغرب کے بہت سے ممالک اور ان کے باشندگان کے دلوں کو تھوڑی مدت میں فتح کر لیا، باوجود یکہ مسلمانوں کی تعداد اور ان کے جنگی ساز و سامان دیگر افواج عالم کے مقابلہ میں بہت ہی کم تھا۔ مثلاً روم، فارس، ترکستان، صقالیہ، بربر وغیرہ کے مقابلہ میں سب پر غلبہ یہاں تک کہ اللہ کا کلمہ بلند ہوا اور دین اسلام تمام ادیان باطلہ پر غالب ہو گیا۔

(۳) حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں کہ جنگ قادسیہ حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ میں لڑی گئی تھی۔ اس جنگ میں مسلمانوں کی تعداد ساٹھ ہزار تھی اور رستم سپہ سالار افواج لاکھوں کی فوج لے کر مقابلہ میں آیا تھا جنگ قادسیہ کے پہلے دن آذربائیجان کا حاکم مہران بڑی شان سے ایک عیار رفتار گھوڑے پر سوار ہو کر میدان جنگ میں پہنچ کر غرور سے کہنے لگا کہ آج ہم عربوں کو کچل ڈالیں گے۔ اس کے ساتھی نے کہا اگر خدا چاہے تو اس مغرور نے کہا خدا چاہے یا نہ چاہے یہ الفاظ اس کی زبان سے نکلا ہی تھا کہ حضرت منذر بن حسانؓ حبیؓ نے ایک نیزہ اس کے پہلو میں مارا اور زمین پر گرا کر ہلاک کر دیا۔

اس جنگ کے تیسرے دن کا واقعہ ہے کہ عمرو بن معدیکرب نے ایرانی لشکر پر یکہ و تنہا حملہ کر دیا اور نہ معلوم کتنے پہلوانوں کو داخل جہنم کر دیا تو ایک فوج ان پر ٹوٹ پڑی ان کا گھوڑا مارا گیا تو انھوں نے ایرانی سوار کے دوڑتے ہوئے گھوڑے کا پاؤں پکڑ لیا گھوڑا ان کی قوت کے سبب آگے نہ بڑھ سکا وہیں جم گیا۔ ایرانی سوار ان کی قوت اور شہ زوری دیکھ کر دہشت زدہ ہو کر گھوڑے سے کود کر پیادہ بھاگا حضرت معدیکرب اچھل کر اس کے گھوڑے پر سوار ہو گئے اور وہ داد شجاعت دی کہ جنگ کا پانسہ پلٹ گیا۔ اس چھوٹی سی اقلیت کو بھاری اکثریت پر فتح عظیم حاصل ہوئی۔

(خون مومن کا احترام)

اصل یہ ہے کہ جب ہماری رگوں میں ہمارا خون خدا پرستی ووفاداری اور بندگی کے لئے دوڑتا تھا تو خدا اس کا احترام تھا اور جب خدا بیزاری اور قانون شکنی میں صرف ہونے لگا تو اس خون کی کوئی قیمت نہیں رہ گئی اس سلسلہ میں وہ ایک اور واقعہ سنئے۔

(۱) حضرت عمرؓ کے زمانہ میں حضرت خالدؓ کا انتقال ہو گیا تو کچھ عورتیں حضرت ام سلمہؓ کے گھر میں نوحہ پڑھنے کے لئے جمع ہوئیں۔ حضرت عمرؓ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ درہ لے کر ام المومنین کے گھر پہنچے ام المومنین کو اطلاع کرائی کہ آپ پردہ میں ہو جائیں پھر ایک ایک عورت کو درہ سے مارنا شروع کر دیا۔ جب ایک عورت کی اوڑھنی گر گئی تو کسی نے کہا خمارھا یعنی اس کی اوڑھنی گر گئی ہے اوڑھ لینے دیجئے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا دعوھا فانھا لاحرمۃ لہا یعنی اوڑھنی کی بات چھوڑو۔ جب اس نے اسلام کے قوانین کی بے حرمتی کی تو اب اس کی حرمت وعزت کہاں باقی رہ گئی۔ (منتخب کنز العمال)

اس واقعہ سے واضح ہو سکتا ہے کہ اسلامی قوانین واحکام کی بے حرمتی کرنے کے بعد انسان کی عزت وحرمت خدا کے یہاں ختم ہو جاتی ہے۔

امام مالک کا بصیرت افروز جواب

ایک مرتبہ امام مالکؒ یہ مسئلہ بیان کر رہے تھے کہ اگر کوئی ظلماً کسی انسان کی ایک انگلی توڑ دے تو اس کو دس اونٹ دیت میں دینا پڑیگا اگر پانچوں انگلیاں کوئی شخص کاٹ دے یا توڑ دے تو پچاس اونٹ دینا ضروری ہوں گے۔

حاضرین مجلس میں سے ایک شخص نے سوال کیا کہ گویا انسان کی پانچ انگلیوں کی قیمت پچاس اونٹ کے برابر ہے تو چور کا ہاتھ جس کی پانچوں انگلیاں کٹ جاتی ہیں اس وقت کاٹا جانا چاہیئے جبکہ چور نے پچاس اونٹ کی مالیت کی چیز چرائی ہو۔ حالانکہ اس کا ہاتھ تو چار درہم میں کٹ جاتا ہے تو ایسا کیوں؟

امام مالکؒ نے جواب دیا کہ چور نے چوری کر کے قانون شکنی کے سبب اپنی انگلیوں کی قیمت گھٹا دی اور فرمایا۔ ان الید لما کانت امینۃ کانت ثمینۃ فلما خانت ھانت

یعنی ہاتھ جب تک امانت دار تھا قیمتی تھا جب اس نے خیانت کیا تو ذلیل ہو گیا۔

کاش لوگ خدا کے قانون کا احترام کر کے اپنے احترام کو برقرار رکھتے۔

سول ایجنسیاں
اودھ جنرل اسٹورس
امین آباد لکھنؤ
ایم۔ ایس۔ ظہیر اینڈ سنس
چمن گنج کانپور

مولانا ظہور الاسلام فتحپوری

ایک تعلیمی مصلح ایک مرد درویش

۱۸۵۷ء کے بعد برصغیر کے مسلمان جس اقتصادی و سیاسی بدحالی کا شکار ہوئے اس کے اور بھی کئی سبب تھے لیکن مولانا ظہور الاسلام صاحب کے نزدیک اس کا اصل سبب تعلیم کی کمی تھی ان کا خیال تھا کہ صرف تعلیم کی کمی کے سبب مسلمان ایسی مذہبی تنگ نظری اور تقلیدی رجحان کا شکار ہوئے جس نے ان سے شعورِ حیات چھین لیا۔ اور جس نے انھیں دین و دنیا کے باہمی تعلق کو سمجھنے اور اس سے نفع اٹھانے سے قاصر رکھا یہی وجہ ہے کہ مولانا زندگی کے سارے مسائل میں تعلیمی مسئلے کو سب سے زیادہ اہمیت دیتے تھے اور رنگ و نسل و مذہب سے بالاتر ہو کر ہر قسم کے تعلیم کے حصول کو قومی و ملی ترقی کے لئے ضروری خیال کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ مجھے انگریزی یا کسی زبان سے تعصب نہیں ہے بشرطیکہ وہ اپنے مذہب سے واقف ہو۔ یہی سبب ہے کہ مولانا ہر زبان اور ہر مضمون کے طالب علم سے مل کر بہت خوش ہوتے تھے خود بھی شب و روز درس و تدریس میں لگے رہتے تھے اور دوسروں کو بھی راہ پر لگانے کی کوشش کرتے کہ پڑھانے سے میرا جی بہلتا ہے۔ جو کوئی مجھ سے پڑھتا ہے میں اس کا شکرگزار ہوں کیونکہ اس سے میری تفریح کا سامان مہیا ہو جاتا ہے۔ اکثر یہ بھی فرماتے کہ جب میں کسی لڑکے کے بغل میں کتاب دیکھتا ہوں تو میری روح تازہ ہو جاتی ہے اور بے اختیار اسے پیار کرنے کو جی چاہتا ہے خواہ وہ کسی قوم کا بچہ ہو۔ مولانا کے اس پیار و محبت کا نتیجہ تھا کہ ان کے حلقۂ شاگردی میں مسلمان اور ہندو برابر کے شریک تھے فتحپور میں کائستھوں کا وہ خاندان جو موتی رتن والوں کے نام سے مشہور ہے اور جو اپنے علم و فضیلت اور عزت و منصب کے اعتبار سے نہایت ممتاز خیال کیا جاتا ہے مولانا ہی کی درسی مجلسوں کا فیض یافتہ ہے بلکہ مولانا کے اولین شاگردوں میں اسی خاندان کے بعض افراد بھی مثلاً لالہ ایشور سہائے اور ان کے حقیقی بھائی میجر رنجیت سنگھ۔ رام چند مان سنگھ اور رائے بہادر مان سنگھ جو عہد برطانوی کے پہلے ہندوستانی ہیں جنھیں آئی سی۔ ایس کا عہدہ دیا گیا۔ لالہ ایشور سہائے مولانا کے خاص شاگردوں اور معتقدوں میں سے تھے اور ان کے سارے بچوں نے جو کہ بعد کو نہایت اعلیٰ عہدوں پر فائز ہوئے عربی فارسی کی تکمیل مولانا ہی سے کی ہے۔ غرض مولانا کو تدریس سے فطری لگاؤ تھا اور وہ ہر مذہب اور قوم کے بچے کو تعلیم کی طرف رجوع دیکھ کر بہت خوش ہوتے تھے خواہ یہ تعلیم کسی بھی زبان اور کسی بھی مضمون کی ہو۔ ایک مرتبہ کلکتہ یونیورسٹی کا ایک مسلمان طالب علم جو سنسکرت میں ایم اے کر رہا تھا مولانا کی شہرت سن کر زیارت کے لئے آیا مولانا اس سے مل کر بہت خوش ہوئے اور اس کی بڑی حوصلہ افزائی فرمائی لڑکے نے کہا آپ مجھے پہلے مولوی ملے ہیں جو اس سلسلہ میں میری حوصلہ افزائی کر رہے ہیں ورنہ عام طور پر لوگ مجھ پر لعنت ملامت کرتے ہیں۔ مولانا نے فرمایا علم کسی قسم کا ہو مفید ہے بشرطیکہ اس کی تحصیل کا مقصد انسان کی فلاح و بہبود رہا ہو۔

غرض یہ کہ مولانا تعلیم کا نہایت وسیع نقطۂ نظر رکھتے تھے اور دنیا و دین کی ترقی کے لئے مختلف علوم و فنون کی تعلیم کو ضروری خیال کرتے تھے وہ فرمایا کرتے تھے کہ اسلام دین و دنیا کا معجون مرکب ہے۔ معجون کا ایک جز بھی نکال دینے سے پھر کچھ نہیں رہتا غالباً اسی لئے انھوں نے انگریزی تعلیم کے حصول اور فنی تعلیم کی اشاعت کو اس وقت ضروری خیال کیا جب کہ ان کے اکثر معاصر اس قسم کی تعلیم کو گمراہی پر محمول کرتے تھے چنانچہ مدرسہ اسلامیہ کے قیام اور اس میں انگریزی تعلیم کی بڑی مخالفتیں ہوئیں لیکن وہ اپنے دھن میں لگے رہے اور مدرسہ کو انٹرنس کے درجہ تک پہونچا کر دم لیا لیکن اس کے ساتھ ساتھ ان کی بڑی خواہش یہ تھی کہ ان کے مدرسہ کا ہر انٹرنس پاس طالب علم دینی علوم اور عربی فارسی سے بھی واقف ہو نئے علوم کی طرف مولانا کا انہماک بعض علماء اور احباب اکثر ان سے مباحثے میں الجھنا چاہتے لیکن چونکہ مولانا عملی آدمی تھے اور محض تقریر و مباحثہ کو زیادہ اہمیت نہ دیتے تھے اسی لئے جہاں بات الجھتی وہ جلد گفتگو ختم کرنے کی کوشش میں صاف کہہ دیتے کہ چاہے کوئی مجھے کچھ سمجھے مگر میں اس خیال کا آدمی ہوں کہ دنیا جس کی درست نہیں اس کا دین بھی خطرے میں ہے اسی لئے میری توجہ مسلمانوں کی دنیاوی اصلاح کی طرف زیادہ رہتی ہے چنانچہ وہ اسی نقطۂ نظر کے پیش نظر مسلمانوں کو دینی و دنیاوی دونوں علوم پر برابر اکساتے رہے۔

ان کا خیال تھا کہ جب تک مسلمان سارے مروجہ علوم و فنون سے گہری دلچسپی کا اظہار نہ کریں گے اور زمانہ کے ساتھ کوشش نہ کریں گے وہ ترقی نہیں کر سکتے اسی لئے مولانا کہا کرتے تھے کہ تعلیم ایک زمین ہے کہ جس کے بغیر ہم ترقی نہیں ہو سکتے اس لئے ہم میں سے ایک خاص جماعت کو اشاعت تعلیم میں ہمہ تن مصروف رہنا چاہیے۔

مسلمانوں کی خاص جماعت نے مولانا کی تجویز پر عمل کیا ہو یا نہ کیا ہو لیکن مولانا نے اپنے خیالات کو عملی جامہ پہنانے میں کوئی کوتاہی نہیں کی ہر چند کہ مدرسہ کا نظم و نسق ایک مجلس انتظامیہ کے سپرد تھا لیکن مولانا مدرسے کے مقاصد سے ایک آن بھی غافل نہ رہتے تھے۔ سوتے جاگتے سفر و حضر ہر وقت مولانا کو مدرسہ کا خیال رہتا جس جانفشانی اور جد و جہد سے سرسید احمد خاں نے مدرسہ علی گڑھ کو پروان چڑھایا تھا اسی طرح جب تک مولانا باحیات رہے اپنے خون جگر سے مدرسے کو سینچتے رہے انھیں مدرسہ کی کس قدر فکر تھی اس کا اندازہ ان کے بعض واقعات سے کیا جا سکتا ہے۔

مولانا کا دروازہ پرانا ہونے کی وجہ سے نکل گیا تھا کتے اکثر گھر میں داخل ہو جاتے اور ساری چیزیں اکثر خراب کر دیتے مولانا کی اہلیہ سخت پریشان رہتیں اور کبھی کبھی دروازے کی طرف مبذول کرائیں لیکن مولانا کو چونکہ گھر سے زیادہ مدرسے کا خیال تھا اس لئے جو دروازہ گھر میں لگانے کے لئے آتا وہ دوسرے دن مدرسہ میں لگوانے کے لئے منگوا لیا جاتا اس طرح بہت دنوں تک مولانا کا گھر بے دروازہ رہا۔ آخرکار ایک دوست نے زبردستی دروازے کو درست کروایا۔

مولانا چونکہ حافظ، حکیم، معلم، عالم، صوفی اور روحانی بزرگ سبھی کچھ تھے اسی لئے چھوٹے بڑے ہندو مسلمان سینکڑوں آدمی ان سے ملنے کے لئے آتے اور اپنے ساتھ تحفے تحائف اور نقدی بھی لاتے لیکن مولانا نے اپنی اہلیہ کی تربیت کچھ اس طور پر کی تھی کہ وہ خود بھی مدرسہ کو ترجیح دینے لگی تھیں۔ چنانچہ مولانا ساری چیزیں اہلیہ سے مانگ کر مدرسہ کے حوالہ کر دیتے تھے۔

ایشور سہائے کے خاندان کے افراد مولانا کو اکثر قیمتی لباس بنوا دیتے مولانا ان کا دل خوش کرنے کے لئے ایک دو دن پہن لیتے پھر یا کسی حاجتمند کے حوالہ کر دیتے یا فروخت کر کے مدرسہ میں لگا دیتے۔

مولانا جب مونگیر تشریف لے گئے تو ان کے پیر بھائی مولانا محمد علی مونگیری نے انھیں ایک قیمتی حقہ بطور تحفہ پیش کیا۔ مولانا نے الہ آباد پہونچ کر حقہ فروخت کر دیا اور قیمت مدرسہ میں لگا دی۔ یہ صورت حال دیکھ کر مولانا کے بعض مخلصین نے مولانا کے بیوی بچوں کے نام غیر منقولہ جائداد اور زمین منتقل کر دیں تاکہ اس کی آمدنی سے بچے کچھ راحت اٹھائیں لیکن مولانا نے وہ جائداد بھی مدرسہ کے نام وقف کر دیں۔ غرض کہ مولانا نے اپنا جان و مال سب مدرسہ کے سپرد کر رکھا تھا۔ مدرسہ کے سارے چھوٹے بڑے کاموں کو خود دیکھتے اور ضروریات کو پورا کرنے کی کوشش کرتے خواہ اس میں انھیں کتنی ہی تکلیف اٹھانی پڑے مدرسہ کے بورڈنگ ہاؤس میں جو طلبہ رہتے مولانا ان کی ضرورتوں کا بالخصوص لحاظ رکھتے تھے ان کے لباس۔ خوراک اور آرام کا انتظام کرتے اگر کوئی بچہ بیمار پڑ جاتا تو حکیم کی حیثیت سے خود اس کا علاج کرتے اور عیادت کو جاتے اور ہر طرح کا اطمینان دلاتے بعض واقعات سے تو پتہ چلتا ہے کہ مولانا مدرسہ کے طالب علموں کے آرام و آسائش کا خیال اپنے بچوں سے بھی زیادہ رکھتے تھے اور طلبہ کی خاطر اپنے بچوں اپنے جان و مال کی قربانی دینے سے بھی دریغ نہ کرتے تھے۔ ان کے جذبۂ ایثار و قربانی کا اندازہ اس واقعہ سے لگایئے۔

ایک بار فتح پور میں ہیضہ کی بیماری پھیلی ہوئی تھی روز سینکڑوں موتیں واقع ہوتیں اور تجہیز و تکفین کا انتظام کرنا مشکل ہو جاتا۔ ایک دن اچانک

(باقی صفحہ)

رمضان مبارک میں صلحاء کا طرزِ عمل

از مولانا محمد منظور نعمانی

رمضان مبارک کا یہ مہینہ اللہ کی رحمتوں اور برکتوں کی بہار اور انوار و رحمت کی موسلا دھار بارش کا مہینہ ہے گناہوں کی بخشش اور آتشِ دوزخ سے آزادی حاصل کرنے کا مہینہ ہے، دنوں کو روزوں اور دیگر اشتغال و عبادات سے اور راتوں کو لمبی لمبی نمازوں اور تضرع و انابت سے معمور کر کے ملکوتیت کو بہیمیت پر اور روحانیت کو نفسانیت پر غالب کر کے رضائے الٰہی اور قربِ خداوندی کے مقامات کی طرف بڑھنے کا خاص مہینہ ہے جس کے ایک ایک دن اور رات میں برسوں کی منزل طے ہو سکتی ہے۔ پس خاصانِ خدا کو چونکہ ان حقیقتوں پر کامل یقین و ایمان ہوتا ہے اور وہ اس ماہ مبارک کے انوار و برکات کو گویا اپنی آنکھ سے دیکھتے ہیں اس لئے وہ اس مبارک مہینہ کی کوئی ساعت اور اس کا کوئی لمحہ غافل ہو کر گزارنا نہیں چاہتے۔

اہل زمانہ کی عبرت اور سبق آموزی کے لئے اسی صدی اور اسی زمانے کے بعض اپنے بزرگوں کے معمولات نقل کرتا ہوں اللہ تعالیٰ ہم کو بھی ان کی اقتدا اور پیروی کی توفیق دے۔

مخدومی حضرت مولانا محمد زکریا مدظلہٗ (شیخ الحدیث سہارنپور) نے اپنے رسالہ فضائل رمضان میں نقل فرمایا ہے کہ:

میں نے اپنے آقا حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہ کو متعدد رمضانوں میں دیکھا ہے کہ باوجود ضعف اور پیرانہ سالی کے مغرب کے بعد نوافل میں سوا پارہ پڑھنا یا سننا اور اس کے بعد آدھ گھنٹہ کھانا وغیرہ ضروریات کے بعد ہندوستان کے قیام میں تقریباً سوا دو گھنٹے تراویح میں خرچ ہوتے تھے اور مدینہ پاک کے قیام میں تقریباً تین گھنٹے میں عشاء اور تراویح سے فراغت ہوتی اس کے بعد آپ حسب اختلاف موسم دو تین گھنٹے آرام فرمانے کے بعد تہجد میں تلاوت فرماتے اور صبح سے نصف گھنٹہ قبل سحر تناول فرماتے اس کے بعد سے صبح کی نماز تک کبھی حفظ تلاوت فرماتے اور کبھی اوراد و وظائف میں مشغول رہتے (اسفار) یعنی صبح کا اجالا پھیل جانے پر) صبح کی نماز پڑھ کر اشراق تک مراقب رہتے، اور اشراق کے بعد تقریباً ایک گھنٹہ آرام فرماتے، اس کے بعد تقریباً ۱۲ بجے تک اور گرمیوں میں ایک بجے تک بذل المجہود (شرح سنن ابی داؤد) کی تصنیف و تحریر میں مشغول رہتے۔ اور ڈاک وغیرہ ملاحظہ فرما کر جواب لکھاتے، اس کے بعد ظہر کی نماز تک آرام فرماتے اور ظہر سے عصر تک تلاوت فرماتے عصر سے مغرب تک تسبیح میں مشغول رہتے اور حاضرین سے بات چیت بھی فرماتے "بذل المجہود" کی تصنیف کا کام ختم ہو جانے کے بعد صبح کا کچھ حصہ تلاوت میں اور کچھ کتب بینی میں "بذل المجہود" اور "وفاء الوفا" زیادہ تر اس وقت زیر نظر رہتی تھیں۔ یہ اس پر تھا کہ رمضان المبارک میں معمولات میں کوئی خاص تغیر نہ تھا کہ نوافل کا یہ معمول دائمی تھا اور نوافل مذکورہ کا تمام سال بھی اہتمام رہتا تھا، البتہ رکعت کے طول میں رمضان المبارک میں اضافہ ہو جاتا تھا۔...

...قدس مولانا شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ تراویح کے بعد سے صبح کی نماز تک نوافل میں مشغول رہتے تھے اور یکے بعد دیگرے متفرق حفاظ سے نوافل میں کلام مجید ہی سنتے رہتے تھے (عاجز دعا گو راقم سطور محمد منظور عرض کرتا ہے کہ میں نے خود اپنے استاد حضرت مولانا سراج احمد صاحب رشیدی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے بیان فرماتے تھے کہ رمضان مبارک میں حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے پاؤں پر عموماً ورم ہو جاتا تھا کیونکہ ساری رات بہ متفرق حفاظ سے نوافل میں قرآن شریف سنتے تھے اور ایک ایک رکعت میں کئی کئی پاروں کا اوسط رہتا تھا۔)

حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب قدس سرہٗ کے یہاں تو رمضان مبارک کا مہینہ دن و رات تلاوت ہی کا ہوتا تھا کہ اس میں ڈاک بھی بند اور ملاقات بھی ذرا گوارہ نہ تھی، بعض مخصوص خدام کو صرف اتنی اجازت ہوتی تھی کہ تراویح کے بعد جتنی دیر حضرت سادی چائے کے ایک دو فنجان نوش فرمائیں اتنی دیر حاضر خدمت ہو جایا کریں۔

ناچیز محمد منظور عفا اللہ عنہ الغفور عرض کرتا ہے کہ اگرچہ اپنے حصہ میں تو بے نصیبی اور محرومی کے سوا کچھ نہیں لیکن اپنے بعض موجودہ بزرگوں[1] کے متعلق بھی معلوم ہے کہ رمضان مبارک میں ان کا یہی حال رہتا ہے کہ ؎

لبوائے جاناں ز جہاں مشتغل
بذکر حبیب از جہاں مشتغل

[1] بہت دل چاہنے کے باوجود میں نے اپنے ان بزرگوں کی ناراضی کے ڈر سے ان کے اسماء گرامی لکھنے سے قلم روک لیا ہے کیونکہ معلوم ہے کہ یہ حضرات اس اظہار سے بہت تکلیف محسوس کریں گے۔

ان میں سے ایک بزرگ کے متعلق مجھے علم ہے کہ وہ علاوہ دیگر معمولات کے قرآن مجید کے ۳۵-۳۶ تک دور رمضان میں کر لیتے ہیں۔ گویا ۳-۵ پارہ یومیہ کی تلاوت کا اوسط رہتا ہے۔ اور یہ تلاوت عامیوں کی تلاوت نہیں ہوتی بلکہ ایک راسخ العلم عالم دین، وسیع النظر محدث اور صاحب ادراک عارف کی تلاوت ہوتی ہے۔ بلکہ ان کے تو گھرانے کی مستورات کا بھی یہ حال معلوم ہوا ہے کہ دیگر اوراد و اذکار کے ساتھ رمضان مبارک میں بسا اوقات ایک دن میں ایک قرآن مجید پورا ختم کر لیتی ہیں۔

یہ تذکرہ حضرت مولانا محمد الیاس نور اللہ مرقدہٗ کے خاندان کا ہے اور حضرت کی والدہ ماجدہ کے متعلق حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کی سوانح حیات تذکرۃ الخلیل میں مذکور ہے اور میں نے خود بھی اس خاندان کے متعدد ثقہ بزرگوں سے سنا ہے کہ رمضان مبارک میں وہ بھی چالیس قرآن ختم کر لیتی تھیں پھر ان کے روزمرہ کے معمولات بھی جو تذکرۃ الخلیل میں منقول ہیں اور حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح مرتبہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی میں بھی نقل کئے گئے ہیں، حیرت انگیز اور آج کل کے پست ہمتوں کے تصور سے بھی بالاتر ہیں۔

خود حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق آپ کے رفیق قدیم اور محرم اسرار حضرت حاجی عبدالرحمن صاحب مرحوم رحمۃ اللہ علیہ سے میں نے خود سنا ہے بیان کرتے تھے کہ جس زمانہ میں حضرت پر خلوت و ریاضت اور مجاہدہ کا زیادہ غلبہ تھا آپ نے ایک سال پورے رمضان کا اعتکاف کیا اور اس اعتکاف میں آپ شب و روز نوافل یا ذکر و تلاوت ہی میں مشغول رہتے تھے، اور ان کی حالت دیکھ کر ہم خدام کو بعض وقت ترس آتا تھا۔

اس کے بعد جب حضرت کی توجہ دعوت الی اللہ اور اصلاح امت کے کار عظیم کی طرف منعطف ہوئی اور اس کو آپ نے گویا اپنا مقصدِ حیات قرار دے لیا تو پھر رمضان مبارک میں کثرت عبادت اور کثرت تلاوت اور اعتکاف وغیرہ کے علاوہ اس کام کے لئے بھی دوسرے دنوں سے بدرجہا زیادہ محنت اور کوشش کرنا چاہتے تھے اور تبلیغی قافلوں کی روانگی پر زیادہ سے زیادہ زور دیتے تھے۔

اللہ تعالیٰ مجھ کو اور تمام ناظرین اور جملہ اہل ایمان کو توفیق دے کہ رمضان مبارک کی شکل میں آنے والی اللہ کی رحمتوں اور برکتوں کی اپنے ان بزرگوں کی طرح ہم بھی قدر کریں۔ واللہ العظیم رمضان کے جن دنوں اور راتوں کو ہم غفلت میں گنواتے ہیں، مرنے کے بعد آخرت میں ان کا ایک ایک لمحہ بڑی حسرت سے یاد آئے گا۔

اخبار تعمیر حیات میں اشتہار دیکر اپنی تجارت کو فروغ دیجیے

رحمت عالم کا کمال جوہر شناسی و مردم گری

صورت تری معیار کمالات بنا کر
دانستہ مصور نے قلم توڑ دیا ہے

تحریر: محمود شیت خطاب
ترجمہ: شمس الحق ندوی

یہی معاملہ آپ نے حضرت عمرو بن العاص کے ساتھ بھی فرمایا۔ جب وہ اسلام لائے تو ان کو بھی آپ نے قیادت ہی کا بار سونپا۔ جب یہ دونوں حضرات مسلمان ہو کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ نے صحابہ سے فرمایا کہ مکہ مکرمہ نے تم کو اپنے جگر کے ٹکڑے پیش کر دیئے ہیں۔ حضرت عثمان ابن عفان مالدار تھے آپ نے ان کی مالی صلاحیت سے مسلمانوں کو فائدہ پہنچایا۔ چنانچہ حضرت عثمان نے بیس ہزار میں ایک کھلیان مسلمانوں کے لئے خرید لیا بئر رومہ خرید کر وقف عام کیا۔ غزوہ تبوک کا سارا بار سنبھال کر نادار مسلمانوں کے لئے اسباب مہیا کئے۔

حضرت حسان ابن ثابت ایک اچھے شاعر تھے۔ مسلمانوں نے ان کی اس صلاحیت سے فائدہ اٹھایا۔ جب حضورؐ جنگ میں تشریف لے جاتے تو ان کو عورتوں کی دیکھ بھال کے لئے چھوڑ جاتے۔ صحابہ کرام میں بیشمار لوگ ایسے تھے جو بڑی جنگی صلاحیتوں کے مالک تھے لیکن وہ مسلمانوں کے لشکر میں سپاہی ہی رہے۔ کمانڈر و جنرل نہیں بنائے گئے اس لئے کہ وہ اپنی بہادری و جوانمردی میں نمایاں و ممتاز تو تھے لیکن قائدانہ صلاحیت میں ایسا کمال امتیاز نہیں رکھتے تھے کہ ان پر یہ بار ڈالا جاتا۔

صحابہ کی ایک تعداد لکھنے پڑھنے میں مہارت رکھتی تھی۔ ان کو آپ نے کتابت، وحی اور بادشاہوں اور حکمرانوں کو خطوط نویسی کے کام میں لگایا۔ کچھ لوگ دعوت و ارشاد، حساب کتاب وصول و تحصیل اور عدل و قضا کی صلاحیت رکھتے تھے ان سے آپؐ نے ان کی صلاحیت کی مناسبت سے کام لیا اور انکے حوالہ اسی طرح کے کام کئے اور ان کی اس خوبی و صلاحیت سے فائدہ اٹھایا۔ بعض صحابہؓ جو نظم و ضبط اور دفتری کاموں کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے جب انھوں نے اس کی پیش کش کی تو ——— آپؐ نے ان کو نفی میں جواب دیا۔

حضرت موسیٰ اشعری سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں اور میرے دو چچازاد بھائی حضورؐ کے پاس آئے ان میں سے ایک نے عرض کیا۔ رسولؐ خدا آپ مجھے کسی صوبہ کا گورنر بنا دیجئے۔ دوسرے نے بھی یہی عرض کیا آپ نے بے تکلف فرمایا کہ ہم کسی ایسے شخص کو یہ ذمہ داری نہیں دیتے جو اس کا طالب اور حریص ہو۔

ابوذر غفاریؓ نے عرض کیا کہ اللہ کے نبی آپ ہم کو عامل نہیں بنائیں گے؟ حضورؐ نے ابوذر کے کندھے پر ہاتھ مارتے ہوئے فرمایا ابوذر تم کمزور ہو۔ یہ ایک امانت ہے۔ اگر اس کا حق ادا نہ کیا تو یہ امانت قیامت کے دن ذلت و رسوائی کا سبب بنے گی۔ آپ نے جب فتح مکہ کا ارادہ فرمایا تو حسب عادت اس کو بھی چھپایا۔ تاکہ اچانک قریش پر چھاپہ ماریں۔ اور کسی جانی نقصان کے بغیر ان کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دیں۔ لیکن حاطب ابن ابی بلتعہ نے قریش کو ایک خط لکھا اور مکہ جانے والی ایک عورت کے حوالہ کر دیا کہ وہ یہ خط قریش کو دے دے خط میں انھوں نے حضورؐ کے ارادے کی اطلاع کی تھی۔ حضورؐ کو اس خط کا علم ہو گیا۔ آپؐ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور زبیر ابن العوامؓ کو بھیجا کہ عورت کو پکڑ کر خط چھین لیں۔ چنانچہ ان دونوں حضرات نے جا کر اس کو پکڑا اور خط چھین لیا۔ حضورؐ نے حضرت حاطبؓ کو بلا کر پوچھا کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟ حضرت حاطبؓ نے قسم کھا کر کہا کہ اللہ کے نبیؐ میں اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان رکھتا ہوں۔ اس میں کوئی کمی اور تبدیلی نہیں ہوئی۔ دراصل بات یہ ہے کہ وہاں میرے اعزہ و اہل خانہ ہیں یہاں میں تنہا ہوں ان کی محبت نے مجھ کو اس جرم کا سزاوار بنایا اور کوئی بات نہیں۔ جرم سنگین تھا۔ حضرت عمرؓ کیسے برداشت کر سکتے تھے۔ عرض کیا اللہ کے نبیؐ اجازت ہو تو اس کی گردن اڑا دوں۔ حاطبؓ منافق ہو گیا۔ آپؐ نے منع فرمایا اور فرمایا کہ غزوہ بدر میں حاضر ہونے والوں کا خدا کو علم ہے انھوں نے تو سچ بات قسم سے کہدی۔ اس کے بعد اب تمھیں اختیار ہے اس ارشاد کے بعد کس کی مجال تھی کہ کچھ کہتا۔ سابقہ خدمات جہاد نے حضرت حاطبؓ کی سفارش کی۔ حضورؐ نے نہ صرف معاف فرمایا بلکہ صحابہؓ سے فرمایا کہ ان کی خوبیوں کو دیکھو عیب کو نظر انداز کرو حضرت حاطبؓ اسی ماحول میں رہے۔ گری ہوئی نگاہوں سے نہیں دیکھے گئے۔

فتح مکہ کے بعد عکرمہ ابن ابوجہل ایمان لائے اور اس کا خوب حق ادا کیا۔ ہر طرح کی قربانی دی اسلامی فتوحات کے چوٹی کے قائد بن گئے۔ ان کے باپ ابوجہل اسلام کے بڑے دشمن تھے۔ تاہم حضورؐ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ عکرمہ کے سامنے ابوجہل کو برا بھلا نہ کہا کرو اس سے عکرمہ کو دکھ پہونچے گا۔ مردے کو برا بھلا کہنا اس کے زندہ اعزہ پر گراں گزرتا ہے اس کو اس ماحول سے ضیق و گھٹن محسوس ہوگی جو انھیں بددل و متنفر بنا سکتی ہے۔ اپنے بھلے برے کا ذمہ دار وہ خود ہی ہوگا۔

حضورؐ کی کامیابی کا یہی سب سے بڑا راز ہے کہ آپؐ نے خوبیوں کو سراہا عیوب سے چشم پوشی فرمائی اسی کا نتیجہ ہے کہ جب آپ نے عالم فانی سے رحلت فرمائی تو سپہ سالاروں حکام گورنروں، علماء فقہا، محدثین اور قاضیوں کی ——— بڑی تعداد چھوڑ گئے۔ جنھوں نے امت مسلمہ کی سیاسی، فکری، اجتماعی اور اقتصادی رہنمائی فرما کر جہانگیری و جہاں بانی کے بام عروج تک پہنچا دیا۔

سیرت طیبہ کا یہ اہم پہلو ہے اگر ہم اس کو اپنا لیں تو ہماری موجودہ مشکلات کی بہت سی گرہیں کھل جائیں گی حضور جو امام القائدین بہادروں کے بہادر جوانمردوں کے پیش رو اور مخلص کارکنوں کے آقا تھے کام اور ذمہ داری کی اہمیت کے اعتبار سے لائق اور مناسب شخصیت کا انتخاب فرماتے تھے۔

کمالات نبویؐ کے اس پہلو کو مد نظر رکھتے ہوئے آج کے پر آشوب دور میں مسلمانوں خصوصاً عربوں کے لئے یہ ناگزیر ہے کہ جس شخص کے اندر جو صلاحیت ہے۔ اس کی قدر افزائی کریں اور اس سے پورا پورا فائدہ اٹھائیں خواہ وہ ذہنی فکری علمی صلاحیت ہو یا۔ قوت و طاقت حلم و تدبر بہادری و جوانمردی کی صلاحیت ہو ہر شخص میں کوئی نہ کوئی خصوصیت ہے جس سے زندگی کے مختلف شعبوں میں فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ مصلحت عامہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے خوبیوں سے فائدہ اٹھانا خامیوں سے چشم پوشی کرنا ہمارا فرض ہے اور قومی نشو و نما کے لئے بہت ضروری ہے۔ ہم کو نئی شخصیتیں تیار کرنا چاہیئے نہ یہ کہ ابھرتی ہوئی صلاحیتوں کو اپنی ناقدری کا ہدف بنائیں جو ہمارے زوال کا بڑا سبب ہے جو لوگ اس پہلو کو مد نظر نہیں رکھتے وہ دراصل اسرائیل کی مدد کر رہے ہیں ہمارے دشمن مردم گری وہ شخصیت سازی کر رہے ہیں۔ اور ہم روپے کے چکر میں وقت ضائع کر رہے ہیں دونوں میں مشرق و مغرب کا فرق ہے۔ اس طرح ہم اپنی ہاری ہوئی لڑائی کبھی جیت نہیں سکتے۔ بلکہ برابر شکست ہی کا منہ دیکھتے رہیں گے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ مسلم معاشرہ کے مفاد عامہ کو پیش نظر رکھا یہی وجہ ہے کہ آپ کے گرد و پیش قوی و امانتدار اعلیٰ ترین صلاحیتوں سے مالا مال حضرات کی بڑی تعداد اسلامی معاشرہ کو میسر آ گئی جس نے اس میں چار چاند لگا دیئے۔ آپؐ نے فرمایا جس نے کسی ایسے شخص کے سپرد کوئی ذمہ داری کی کہ جس سے اچھی صلاحیت کا آدمی موجود تھا تو اس شخص سے اللہ تعالیٰ بری ہے۔

کیا ہم سیرت مبارکہ کے اس بے مثال سبق سے فائدہ اٹھا کر عالم اسلام کو سکون و راحت سے ہمکنار کریں گے یا مسلسل ذلت و رسوائی اور شکست سے دوچار رہنا پسند کریں گے۔؟

مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

آباد یوسفی

جس نے روشن کیا زمانے کو
یہ چمک ہے اسی نگینے کی
لوگ جنت کو بھول جاتے ہیں
واہ کیا بات ہے مدینے کی
آئینہ اشک کا چمکتا ہے
ذرے ذرے میں عکس کعبہ ہے
کوئی لائے جو ان فضاؤں کو
خاک طیبہ بھی ایک تحفا ہے
یاد کرتی ہے روئے احمد کو
ہجر میں بیقرار ہوتی ہے
ہائے وہ چشم اشکبار کہ جو
سبز گنبد کے پاس روتی ہے
پنکھڑی چومتی ہے جالی کو
نکہت افشاں ہے ان کے در پہ شمیم
درس لیں جا کے ان کے روضے پر
عشق کا نام ہے رسول کریمؐ
آمد فصل گل کے عالم میں
اک جنوں خیز فیصلہ ہوگا
رقص فرمائے گا ہر ایک نفس
جب مدینے کا تذکرہ ہوگا
جس کو ملتی ہے یاد شاہ امم
اس کی تقدیر مسکراتی ہے
عمر بھر زندگی محبت کی
نور طیبہ سے جگمگاتی ہے

★

غزل

(سید طفیل احمد مدنی)

گداز و صبر و استغنا کا جو حامل نہیں ہوتا
نگاہ معتبر میں دوستو وہ دل نہیں ہوتا
چمن ہو شہر کی گلیاں ہوں صحرا ہو تمہیں کہدو
کہ پوشیدہ کہاں پر خنجر قاتل نہیں ہوتا
بہر صورت گزر اوقات کر لیتا ہے دنیا میں
مسافر خوگر آسائش منزل نہیں ہوتا
کوئی اس ڈوبنے والے کے دل کا حال کیا جانے
نظر میں جس کی تا حد نظر ساحل نہیں ہوتا
وہ خلوت کا سکوں ہو یا کسی محفل کا ہنگامہ
کہیں یہ دل تمہاری یاد سے غافل نہیں ہوتا
انھیں گھڑیوں میں ہوتا ہے علاج چاک دامانی
یہ پچھلی شب کا سناٹا بھی لاحاصل نہیں ہوتا

غزل

ابوالاسرار رمزی جودھپور

بوئے خاکستر سے اندازہ لگا سکتا ہوں میں
کس نے یہ گلشن جلایا ہے بتا سکتا ہوں میں
لاکھ وہ کانٹے بچھائیں گل کھلا سکتا ہوں میں
خار زاروں میں نئی راہیں بنا سکتا ہوں میں
وقت کے فرعون سے آنکھیں ملا سکتا ہوں میں
گر ضرورت ہو عصائے حق اٹھا سکتا ہوں میں
جب سے مجھ کو اس کے در پر سر جھکانا آ گیا
اپنے قدموں میں جسے چاہوں جھکا سکتا ہوں میں
ساری دنیا روٹھ جائے اس کو ہنس کر ٹال دوں
تو اگر روٹھے تو رو رو کر منا سکتا ہوں میں
حامل بار امانت کون ہے؟ میں ہی تو ہوں
یہ زمین و آسماں سر پر اٹھا سکتا ہوں میں
اپنا اپنا ظرف ہے یہ اپنا اپنا حوصلہ
جو گراتے ہیں مجھے ان کو اٹھا سکتا ہوں میں
میری شان ناخدائی منع کرتی ہے مجھے
ورنہ اس ساحل پہ سو طوفاں اٹھا سکتا ہوں میں
میرے میخانہ میں رمزی اور مے کوئی نہیں
جو ازل میں میں نے پی ہے وہ پلا سکتا ہوں میں

ایک بڑے جیل خانہ کی سیر!

مولانا محمد رابع ندوی استاد دار العلوم ندوۃ العلماء مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کے ہمراہ ۱۹۶۳ء میں جنیوا، انگلینڈ اور جرمنی وغیرہ کے دورہ پر گئے تھے اور برلن سے اپنے تاثرات ومشاہدات لکھ کر بھیجے تھے اس کے پڑھنے سے ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ مشرقی جرمنی ایک بہت بڑا "قید خانہ" ہے جہاں انسانی ضمیر اور آزادی فکر بے معنی الفاظ ہیں۔ یہ خط چونکہ عینی مشاہدات اور قلبی تاثرات پر مشتمل ہے اور تصنع وحاشیہ آرائی سے پاک ہے اور اس سے اس وسیع جیل خانہ کی سچی اور قابل رحم تصویر ہماری آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے۔

...یہ خون میں ایک روز شہر کو برلن آنا ہوا۔ چالیس لاکھ آبادی کا شہر جس کو جنگ میں سب سے زیادہ آفت کا سامنا کرنا پڑا تھا لیکن اس وقت اس میں سوائے ان عمارتوں کے جو بطور نمائش عمداً چھوڑ دی گئی ہیں کوئی منہدم شکستہ عمارت نہیں پائی۔ برلن میں پارلیمنٹ کی سابقہ عمارت جو کہ ہٹلر کے زمانہ میں روس کے کریملن کی طرح ہیبتناک سمجھی جاتی تھی سامنے جاکر دیکھی شکستہ اور غیر آباد پڑی ہے اسپر سنگتراشی سے بنائے ہوئے قدیم منظر نظر آتے ہیں۔ عمارت پتھر کی اور پر شکوہ ہو۔ لیکن دیکھ کر قدرت الٰہی کا مشاہدہ ہوتا تھا کہ چند دنوں کے فرق سے اس عمارت نے انتہائی عروج پھر انتہائی زوال دیکھا۔ یہ ہے دنیا کے اقتدار وعظمت کی حیثیت پارلیمنٹ کے علاوہ ہٹلر کی قیامگاہ اور جائے خودکشی سب توڑ کر زمین کے برابر کی جاچکی ہے اور اس کے علاوہ اس زمانہ کی اکثر اہم عمارتیں مٹادی گئی ہیں۔ اب تو سوائے بعض آثار وعمارتوں کے سب نیا برلن ہے جو پندرہ سولہ سال میں بنا ہو دیوار برلن بھی دیکھی جو عجیب بچکانہ اور مضحک چیز ہے اور تہذیب ہی کیا یہ پورا مغربی تمدن ہی بچوں کا ایک کھیل ہے جو بچے نہیں بلکہ ان کے بڑے کھیل رہے ہیں۔ ماموں جی (مولانا سید ابو الحسن علی ندوی) نے لندن میں اپنی ایک تقریر میں بڑے مزے کی بات کہی۔ وہ یہ کہ تمدن کو آپ نہایت بڑے اور شاندار پیمانہ پر گڑیا گڈے کا کھیل سمجھ لیجئے جو ہمارے یہاں بعض دولت مند گھروں میں بچے رچاتے اور مناتے ہیں، بالکل ایک طرز ایک مزاج معلوم ہوگا۔ یہ دیوار برلن کیا ہو یہ ایک حد ہو جس پر مغربی طاقتوں اور روس میں کسی طرح اتفاق ہوگیا کہ یہاں سے ہماری سرپرستی ہے اور یہاں سے تمہاری سرپرستی ہیں پھر یہ ہوا کہ وہ خط اگر کسی عمارت کی کھڑکیوں سے گزرتا تھا تو کھڑکیاں پتھروں سے چن دی گئیں اور اگر مکان کے سامنے کے حصے سے گزرتا تھا تو مکان کا رخ ہی بدل دیا گیا اور سامنے کا حصہ چن دیا گیا اور اگر کسی کھلے میدان سے گذرتا تھا تو وہاں فصیل کھڑی کردی گئی۔ اور اوپر کانٹے دار تار لگادیئے گئے اور فوجی پہرہ لگادیا گیا اور اس ساری سختی میں سب سے زیادہ دلچسپی روس کو ہے، کیونکہ روسی برلن کے لوگ وہاں کی تنگی اور سختی سے پریشان ہو ہو کر مغربی برلن کی طرف چوری چھپے برابر بھاگ رہے تھے وہاں جہاں انڈا اور ڈبل روٹی بھی راشن کارڈ سے ملتی ہو جہاں گرانی زیادہ ہو، آمدنی کم ہو حالانکہ اس کے پڑوسی ملکوں میں نہ زیادہ گرانی ہو اور نہ آمدنی کی زیادہ کمی، تو کیسے ان ملکوں سے نہ جائیں گے اور بھاگنے کی کوشش کریں گے

اتفاق سے ہم لوگوں کو مشرقی برلن جانے کا موقع بھی ملا۔ وہاں جاکر اپنی آنکھوں سے پہلی بار ایک کمیونسٹ شہر دیکھا۔ پہلے تو داخلے کی سخت اور متعدد مراحل سے گذرنا پڑا کیونکہ مغربی برلن والوں کو کسی کے آنے جانے سے کوئی دلچسپی نہیں وہ بالکل نہیں روکتے مگر مشرقی برلن والے الامان، الحفیظ ہر چیز کا جائزہ لیتے ہیں۔ پہلے تو آدمی گنے گئے کہ موٹر میں کتنے اشخاص ہیں پھر آگے بڑھ کر موٹر کی گدیاں اٹھا اٹھا کر دیکھی گئیں ان کے خانے کھول کھول کر دیکھے گئے۔ پھر پاسپورٹوں کی چمکتی ہوئی تصویروں سے اپنے مالکان کی شکلیں ملائی گئیں پھر رقم کی مقدار معلوم کی گئی پھر آگے بڑھ کر دوسرے عملے نے اس طرح کی بعض باتیں دوبارہ کیں۔ پھر اندر داخل ہونے کی اجازت ملی۔ اندر پہونچکر کمیونسٹ علاقہ میں کمیونسٹ آبادی کو پہلی بار دیکھا۔ اترے چہرے بے بسی کا سا انداز، سناٹے کا سا منظر، بے رونق بازار، کم معیار کا تمدن دیکھ کر حیران رہ گئے کہ یہ بھی برلن ہے جس کو ہم دیکھ رہے ہیں اور وہ بھی برلن تھا جس میں چند منٹ پہلے ہم تھے، اس برلن میں تر وتازہ چہرہ، زندگی، رونق آبادی، اعلیٰ تمدن نظر آتا تھا۔ تمام چوراہوں پر ٹریفک روشنیوں سے آمد ورفت کو کنٹرول کیا جاتا ہو، بازار پر رونق سڑکیں چمکتی ہوئی اور موٹروں سے معمور عمارتیں نہایت نئی اور ترقی یافتہ اسٹائل کی۔ لیکن یہاں ہر چوراہے پر سپاہی کھڑا ہی اور اپنے ہاتھ اور رول کے اشاروں سے آمد ورفت کے نظام کو کنٹرول کر رہا ہے، سڑکیں ہیں کہنہ کہنہ سی اور خالی خالی بسیں اور ٹرامویں برابر آتی جاتی ہیں لیکن بعض میں دو تین آدمی اور بعض میں صرف ان کے چلانے والے، دوکانوں پر بھی آبادی اور رونق کم، اور پوری مدت میں ایک بھی مسکراتا چہرہ نظر نہیں آیا۔ یہ حال دیکھ کر طبیعت گھٹنے لگی۔ محسوس ہونے لگا کہ جیسے بازار ومحلے نہیں بلکہ ایک ـــــ بڑے جیل کے اندر ہیں۔

برلن کے متعدد اہم آثار مشرقی برلن کے حصے میں آئے ہیں ان کو بھی دیکھنا تھا۔ مثلاً ایک بڑا میوزیم جس میں مشرق وسطیٰ اور مشرقی یورپ کے آرٹ اور عمارت سازی کے نادر نمونے جمع تھے۔ بڑا خوب میوزیم ہے قدیم عمارتوں کے در ودیوار تک جو حاصل ہو سکیں سینکڑوں ہزاروں میل سے اٹھا لائے اور یہاں لگایا ہے سلاطین ترک کے فرامین شاہی کے بھی اچھے اچھے نمونے دیکھے مشہور مسلمان جغرافیہ داں ادریسی کا ایک نقشہ بھی دیکھا۔ یہ سب برلن کے سقوط کے پہلے کا قائم شدہ ہو۔ بہرحال جب تک میوزیم میں رہنا ہوا۔ بھول سے گئے کہ ہم مشرقی برلن میں ہیں وہاں سے جیسے ہی نکلے پھر وہی کھلایا ہوا برلن تھا میوزیم سے نکل کر ان عمارتوں اور جگہوں کے پاس جانا ہوا جہاں ہٹلر رہتا تھا اور جہاں اس نے خودکشی کی۔ اس کے بعد پھر انہیں سخت مراحل سے گذر کر مغربی برلن واپس ہوئے مغربی برلن پہونچکر ایسا محسوس ہوا کہ جیل خانے کی سیر ختم ہوگئی اور ہم جیل سے باہر آگئے۔ وہاں سے نکل کر ہم سب نے ایک ہلکا پن محسوس کیا۔

• حدیث میں عید کی رات کو انعام کی رات سے پکارا گیا اس رات میں حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے اپنے بندوں کو انعام دیا جاتا ہے اس لئے بندوں کو بھی اس رات کی بیحد قدر کرنا چاہیئے۔ بہت سے لوگ عوام کا تو پوچھنا ہی کیا۔ خواص رمضان کے تھکے ماندے اس رات میں میٹھی نیند سوتے ہیں۔ حالانکہ یہ رات بھی خصوصیت سے عبادت میں مشغول رہنے کی ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص ثواب کی نیت کر کے دونوں عیدوں میں جاگے اور عبادت میں مشغول رہے اس کا دل اس دن نہ مرے گا جس دن سب کے دل مرجائیںگے (یعنی فتنہ وفسادات کے وقت جب لوگوں کے قلوب پر مردنی چھا جاتی ہے۔ اس کا دل زندہ رہیگا اور ممکن ہے کہ صور پھونکے جانے کے دن مراد ہو، کہ اس کی روح بیہوش نہ ہوگی۔

فقہاء نے بھی عیدین کی رات میں جاگنا مستحب لکھا ہو ماثبت بالسنۃ میں امام شافعی صاحب سے نقل کیا ہو کہ پانچ راتیں دعا کی قبولیت کی ہیں۔ جمعہ کی رات، عیدین کی راتیں، غرۂ رجب کی رات اور نصف شعبان کی رات۔

افکار واخبار

پاکستان نئی منزل کی طرف!

محمد الحسنی

اگر سیاسی اور جنگی نقطۂ نظر سے ہم یہ دیکھنے پر مجبور ہوں کہ ہمارا پڑوسی پاکستان کس ملک سے اسلحہ حاصل کر رہا ہے، اس کے کن ملکوں سے گہرے تعلقات ہیں، اس کی خارجہ پالیسی کس رخ پر چل رہی ہے تو اسلامی اور دینی نقطۂ نظر سے ہمیں یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ آنے والے دنوں میں پاکستان کا مستقبل کیا ہو سکتا ہے۔ وہاں اسلامی عنصر کی فتح ہو گی یا اشتراکی عناصر کی۔ وہاں زمام قیادت دینی رہنماؤں اور دعوت اسلامی کے علمبرداروں کے ہاتھ میں جانے والی ہے یا کمیونسٹوں، سوشلسٹوں، اور بے دین طبقہ کے ہاتھ میں، اس لئے کہ ایک قریب ترین پڑوسی کی حیثیت سے اشتراکی نظام کی مسموم ہوائیں اور اسلامی نظام کی روح پرور فضائیں دونوں کے اثرات ہم تک ضرور پہونچیں گے۔

پاکستان میں جو انتخابی معرکہ دسمبر میں ہونے والا ہے، اس میں دو حقیقتیں بہت اہم ہیں، ایک یہ کہ اصلاً یہ معرکہ اسلام اور لادینی نظام کے درمیان ہے، اور دوسرے یہ کہ علماء ومشائخ کا کردار اس میں بڑی حد تک اثر انداز ہو سکتا ہے۔ اگر یہ دونوں حقیقتیں وہاں کے علماء دین اور عامۃ المسلمین پر بخوبی واضح ہیں تو نتیجہ انشاء اللہ اسلام کے حق میں ظاہر ہوگا۔ اور اگر اس کے برعکس ہے تو اشتراکی اور لادینی عناصر کی جیت کا زیادہ خطرہ ہے اگر ایسا ہوا تو اس کی ذمہ داری عوام کی بے شعوری اور علماء کی کوتاہ نظری دونوں پر ہوگی۔

جہاں تک پہلی بات کا تعلق ہے مسئلہ کسی حد تک واضح ہو چکا ہے۔ یعنی ایک طرف اسلام کے کھلے ہوئے نمائندے ہیں جن کو قوم ہمیشہ اسی حیثیت سے جانتی آئی ہے دوسری طرف سوشلسٹ، کمیونسٹ اور علاقائیت اور صوبائیت کے علمبردار جیسے لوگ جمع ہیں، اگرچہ اس وقت بولی سب ایک ہی بول رہے ہیں اور نعرے بھی ملتے جلتے لگا رہے ہیں لیکن اصل ونقل میں فرق کرنے کے لئے معمولی فہم وشعور بھی کافی ہے۔ اور اس کی واحد پہچان ہے سابقہ کردار، انبیاء کرام نے بھی اپنے پیغام اور دعوت کی تصدیق کے لئے یہی حوالہ دیا تھا۔ قرآن مجید میں ہے۔

فقد لبثت فیکم عمرا من قبلہ افلا تعقلون

(میں اس سے پہلے ایک عمر تمہارے درمیان گزار چکا ہوں، کیا تم نہیں سمجھتے)

اسلئے محض نعرے اور دعوے اس میں موثر نہیں ہو سکتے ہیں نعرے تو دونوں ہی لگا رہے ہیں اشتراکی بھی اور اسلام پسند بھی، فرق صرف اتنا ہے کہ ایک کا یہ نعرہ ہمیشہ سے لگتا آیا ہے، ایک صرف آج لگا رہا ہے۔

یہ ایک ایسی بدیہی حقیقت ہے جس کے لئے بہت زیادہ پروپیگنڈہ کی ضرورت نہیں۔

جہاں تک دوسری بات ہے یعنی علماء کا کردار ان کا منصب رفیع اور ان کی نازک ذمہ داری، یہ بات اس قصہ میں اس لئے زیادہ اہم ہے کہ علماء پاکستان کے دینی مستقبل کے اس کا اثر خود علماء کے وقار پر بہت پڑے گا اور ان کی حمایت سے کمیونسٹ اور بے دین طبقہ برسر اقتدار آگیا تو اس کے بعد سارے اچھے برے نتائج کی ذمہ داری قدرتاً ان پر عائد ہوگی۔

اس پیچیدہ اور نازک پوزیشن میں وہاں کے علماء اور عام مسلمانوں کے لئے ہمارے نزدیک صرف ایک معیار کافی ہے وہ یہ کہ اگر شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ یا حضرت لاہوریؒ حیات ہوتے تو اس وقت کیا کرتے، یا کس بات کا مشورہ دیتے۔؟

کیا وہ یہ کہتے کہ اس اہم اور فیصلہ کن موقع پر گوشہ نشین ہو کر بیٹھ رہنا چاہیئے؟ ہرگز نہیں! یہ بات ان کے ـــــ کردار اور ان کی شان عزیمت سے بہت بعید ہے اور اس کا فیصلہ ان کا ہر حلقہ بگوش با آسانی کر سکتا ہے۔

کیا وہ کمیونسٹوں اور سوشلسٹوں اور دشمنان اسلام سے پیکٹ کر لیتے اور ان کی حمایت میں تقریریں کرتے۔ کیا وہ کسی اور جماعت کے حامی بن جاتے اور اس کے لئے ووٹ مانگتے۔؟

جہاں تک ہم سمجھتے ہیں، اور ان کے مقام بلند کا جہاں تک صحیح اندازہ ہو۔ وہ کمیونسٹوں اور بے دین طبقہ سے اتحاد تو کیا کرتے ان کے ساتھ بیٹھنے کے بھی روادار نہ ہوتے۔ ان کے خلاف خود اپنے نمائندے کھڑے کرتے، علماء کی جماعت متحد ہو کر اور کسی سے تعلق رکھے بغیر اپنا کام کرتی، اور اگر کسی سیاسی ضرورت سے اتحاد کرنا ہی پڑتا تو کسی غیر سوشلسٹ اور غیر کمیونسٹ جماعت سے کرتی ...... ان سوشلسٹوں سے ہرگز نہ کرتی جن سے اس کی دور سے بھی صاحب سلامت نہیں!

ہمیں سوچنا چاہیئے کہ حضرت مدنیؒ اور حضرت لاہوریؒ اگر جماعت اسلامی یا بعض مخصوص خیالات اور شخصیات کے خلاف تھے تو کیا اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سوشلسٹوں اور کمیونسٹوں کے حامی ضرور تھے۔

اگر ہم آج جماعت اسلامی سے اختلاف رکھتے ہیں تو اس کا نتیجہ کیا صرف یہی نکلتا ہے کہ ہم ان سوشلسٹوں سے مل جائیں جن کو کسی زمانہ میں بھی دین سے لگاؤ نہیں رہا۔ جن کی تمام تر دلچسپیاں، آزاد طرز زندگی اور فتنہ ودہشت انگیزی کے بل پر قائم ہیں۔ اور جن کا سب سے پہلا نشانہ اور تر نوالہ یہی علماء کرام ہوتے ہیں جو ان کی تائید کرتے ہیں۔

مصر وشام کا تجربہ ہمارے سامنے ہے جہاں یہ سوشلزم الحاد وزندقہ کی راہ پر تیزی کے ساتھ گامزن ہیں۔ اور جہاں مولویوں کی حیثیت آقاؤں کی چلم بھرنے سے زیادہ نہیں رہ گئی، اور جن کے لئے وہاں صرف دو جگہیں مخصوص کر دی گئی ہیں، جیل کی آہنی سلاخیں یا پرتکلف اور ماڈرن بنگلہ جہاں عیش وآرام کے سارے لوازمات موجود ہوں، یعنی حق بات کہتے ہو تو تمہاری جگہ جیل ہے، پوری پابندی اور پورے آہنگ کے ساتھ ہماری ہاں میں ہاں ملاتے ہو تو عیش وآرام کے سب سامان تمہارے لئے مہیا ہیں۔ بے ضمیری کی اس زندگی کے لئے سوشلسٹ نظام میں کچھ گنجائش ضرور ہے اگرچہ اس میں بھی ذرا دم مارنے کی اجازت نہیں ہے اور اگر کبھی "حریت ضمیر" کی کوئی بشری تقاضہ کی بنا پر پیدا بھی ہوگی تو پھر کسی لمحہ بھی اصلی مستقر (یعنی جیل اور پھانسی گھر) بھیجا جا سکتا ہے۔

جماعت اسلامی پر صبح وشام جتنی تنقیدیں آپ کا دل چاہے کیجئے اس سے آپ کو کوئی نہیں روکتا لیکن اس کی دشمنی میں کمیونسٹوں کے پیچھے اپنا دین وایمان خراب کرنا پورے ملک کے مستقبل کو داؤں پر لگا دینا، دین کے وقار، علماء دین کے وقار بلکہ اصل دین کو خطرہ میں ڈال دینا کہاں کی عقلمندی ہے۔

ان بزرگوں کی روح کیا اس سے شاد ہوگی کہ ہم دین اور علماء دین کا مذاق اڑانے والوں کا ساتھ دیں اور ان کے پیچھے پیچھے چلیں جن کا ایک ایک فرد ہم کو حقیر سمجھتا رہا ہے، جس کی نگاہ میں کبھی دین کی وقعت نہیں رہی۔

یا اس سے شاد ہوگی کہ ہم اپنا منصب سمجھتے ہوئے اور اس لمحہ کی نزاکت واہمیت کو محسوس کرتے ہوئے اسلام کے تمام دشمنوں سے (اس فہرست کو ہم چاہے جتنا طویل کردیں ہمیں اختیار ہے) بے تعلق ہو جائیں اور کوئی ایسا کام نہ کریں جس سے ان کو تقویت حاصل ہو بلکہ اس کی کوشش کریں کہ ان کو ناکامی ہو۔ عوام کا کوئی طبقہ ان کی طرف مائل نہ ہو۔ اور اس کے سامنے صرف ایک چیز ہو حقیقی اسلام، اور صرف ایک مقصد ہو اسلام کی سربلندی۔

ہمارے علماء کا تو فرض یہ تھا کہ وہ اس موقع پر سب سے زیادہ فہم وشعور دردمندی اور بے غرضی کا مظاہرہ

(باقی صفحہ ۲۵ کالم ۳ پر دیکھئے)

ذلّت کا ٹیکس

تحریر: سید قطبؒ
ترجمہ: شمس الحق ندوی

بعض کمزور طبیعت اور پست حوصلہ لوگ سمجھتے ہیں کہ عزت و شرافت کا ٹیکس بہت ہی بھاری و ناقابل برداشت ہے اس کو ادا کرنا جان جوکھوں میں ڈالنا ہے۔ لہٰذا یہ کم ہمت لوگ ذلت و رسوائی کو اپنے لئے سہل و آسان سمجھتے اور اسی کو اختیار کرتے ہیں تاکہ وضعداری اور خودداری کی گرانباری و سرگرانی سے بچے رہیں ایسے لوگ ہمیشہ گھٹیا اور پست درجہ کی زندگی گذارتے ہیں۔ یہ بزدل لوگ اپنے سائے تک سے ڈرتے اور اپنی ہی آواز بازگشت سے گھبراتے ہیں، ہر شور و غوغا کو اپنے ہی خلاف سمجھتے ہیں، اور ایسے ہی لوگ زندگی کے زیادہ حریص بھی ہوتے ہیں۔

لیکن یہ ذلیل و پست ہمت لوگ دوسری طرف عزت و بلندی کے ٹیکس سے کہیں زیادہ ناقابل برداشت ٹیکس ادا کرتے ہیں، یہ سراپا ذلت و رسوائی کا ٹیکس ہوتا ہے اس ٹیکس کو وہ اپنی جانیں دے کر، اپنی تقدیریں کھو کر ادا کرتے ہیں، عزت و اطمینان اور سکون قلب دے کر ادا کرتے ہیں۔ اور بسا اوقات تو اپنے خون اور مال سے ادا کرتے ہیں اور اس طرح ادا کرتے ہیں کہ ان کو اس کا احساس تک نہیں ہوتا۔

انھیں یہ خوش گمانی ہوتی ہے کہ ذلت کا ٹیکس ادا کرنے کے بعد وہ صاحب اقتدار و ذی مرتبہ لوگوں سے عزت و شرافت کا سودا کرلیں گے، حالانکہ یہ بارہا کا تجربہ ہے کہ ان کے یہ آقا جنھیں انھوں نے خدا بنا رکھا ہے، اپنی غرض اور مطلب حاصل کر لینے کے بعد ان کو اس طرح پھینک دیتے ہیں جس طرح کھجور کھا لینے کے بعد گٹھلی پھینک دی جاتی ہے۔ کتنے ایسے لوگ ہیں جنھوں نے اپنا جوہر مردانگی کھو کر ذلت و رسوائی کا لبادہ اوڑھ کر اپنے کو ان آقاؤں کے سامنے پست کیا جھکے اور ذلیل ہوئے حیات انسانی کی تمام قدروں کو قربان کیا، انسانیت کے ہر شرف و تقدس کو بھینٹ چڑھایا۔ وہ ساری قدریں جو خدا نے انھیں عطا کی تھیں سب کچھ پس پشت ڈال کر ان کے پیچھے دوڑے۔ مگر وہ گھٹیا سے گھٹیا تر ہوتے گئے ذلیل سے ذلیل تر ہوئے یہاں تک کہ ان کے وہ آقا جنھوں نے ذلیل کتوں کی طرح ان سے خدمت لی۔ وہ آقا جن کے لئے انھوں نے اپنی جان تک کی بازی لگائی جن کی خاطر اپنے کو سزاوار جرم بنایا جن کی رضا و خوشنودی کے لئے اپنے کو ذلت و رسوائی کے کیچڑ میں لت پت کیا۔ انھوں نے ان کو دودھ کی مکھی کی طرح نکال کر پھینک دیا۔

کتنے ایسے لوگ ہیں جو باعزت و باوقار ہو سکتے تھے، اپنے اوپر خدا کی طرف سے ڈالی ہوئی ذمہ داریوں کی ——— حفاظت کر سکتے تھے، حق و انسانیت کی نگہبانی کر سکتے تھے لیکن انھیں اس موقف کے اختیار کرنے میں کوئی خوف اور خطرہ نہیں تھا کسی کا کوئی دباؤ نہیں تھا۔ حتیٰ کہ وہ لوگ بھی جو یہ نہیں چاہتے تھے کہ حق و صداقت کا غلغلہ ہو۔ امانت و دیانت کا درخت بار آور ہو ان سے بھی ان کو کوئی خطرہ نہ تھا، نہ وہ کچھ کر سکتے تھے لیکن جب انھوں نے اس امانت میں خیانت کی جو ان کے حوالے کی گئی تھی شرف و عزت کے لئے مصائب و تکلیف جھیلنے سے عاجز رہے، ہمت ہاری تو انھیں لوگوں میں ذلیل و رسوا ہونا پڑا جو حق و صداقت کے دبدبہ سے خائف تھے یہ انھیں کی نگاہوں میں کمزور ہوئے جو ان سے ڈرتے تھے۔ یہ ان لوگوں کی نگاہوں میں قابل اعتنا ہوئے جو ان کو خریدنے کی کوشش کر رہے تھے اور اس حد تک ناقابل اعتنا ہوئے کہ انھوں نے ان کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ ان لوگوں کے قدموں تلے روندے گئے، جو ان سے اس وقت وعدہ کرتے تھے اور سبز باغ دکھاتے تھے لیکن یہ اس وقت تھا جب ان کو حق کا مرتبہ حاصل تھا۔ شرف و عزت کا رعب حاصل تھا۔ احساس ذمہ داری کی حلاوت حاصل تھی، ایسے لوگ بیشمار ہیں جو عزت و بلندی کی چوٹی سے ذلت و رسوائی کے غار میں جا گرے۔ نہ ان کو کسی پر رحم آیا نہ ترس، جنازہ تک کا کسی نے ساتھ نہ دیا، حتیٰ کہ ان کے وہ آقا جن کے لئے انھوں نے اپنا سب کچھ کھویا تھا وہ ان کے کام نہ آئے ——— وعظ و نصیحت اور بار بار کے تجربوں کے باوجود برابر ہم ایسی قربانیوں کا مشاہدہ کرتے رہتے ہیں ایسی قربانی جو ذلت کا ٹیکس ادا کرتی ہے جو خدا اور لوگوں کی خیانت کرتی ہے، امانت و شرافت کو قربان کرتی ہے، ایسی قربانی جو آقاؤں کے پیچھے دکھ درد جھیلتی ہے لالچ و طمع کے پیچھے پریشان ہوتی ہے اور غلط اور بے حقیقت وعدوں کے پیچھے سب کچھ کھوتی، پھر ٹھوکر کھاتی اور گرتی ہے، اور گمنامی کے غار میں غائب ہو جاتی ہے لوگ انھیں برا بھلا کہتے ہیں اور ان کے آقا ان پر ذلت و حقارت کی نگاہ ڈالتے ہوئے آگے بڑھ جاتے ہیں۔

بڑے بڑے لوگوں کو میں نے دیکھا ہے کہ جب انھوں نے غیر اللہ کے سامنے سر جھکایا تو ذلت و رسوائی کا ناقابل برداشت ٹیکس کا بوجھ اٹھانا پڑا۔ ایسا بوجھ جو ان کے سروں کو جھکا دیتا ہے گردنیں موڑ دیتا ہے پھر یہ لوگ اپنا بوجھ رکھنے اور ساری پونجی دے دینے کے بعد کتوں کی طرح دھتکار دیئے گئے، دنیا و آخرت دونوں جہاں سے ہاتھ دھویا، اور غلاموں کے زمرہ میں داخل ہو گئے۔ آج ان کا کوئی نام تک نہیں لیتا، حالانکہ مجھے یہ علم ہے کہ ان کے اندر ایسی صلاحیتیں یقین اور یہ اس پر قادر تھے کہ آزادی کی زندگی گذارتے مگر انھوں نے غلامی ہی کو پسند کیا۔ وہ اثر انداز ہونے کی بھرپور صلاحیت رکھتے تھے لیکن انھوں نے ذلت ہی کو اختیار کیا، وہ بارعب و صاحب دبدبہ شخصیت بن سکتے تھے مگر انھوں نے بزدلی و کم ہمتی ہی کو اپنا شعار بنایا۔ بسا اوقات وہ عزت سے اس لئے بھاگے کہ ان کو ایک دینار نہ خرچ کرنا پڑے۔ پھر انھیں ذلت کے لئے ڈھیر کا ڈھیر خرچ کرنا پڑا۔ صاحب مرتبہ و ذی اقتدار لوگوں کی خوشنودی کے لئے وہ بڑے بڑے جرائم کے مرتکب ہوتے ہوئے نظر آئے۔ یہی نہیں بلکہ مجھے تو بعض ایسے قبیلے اور خاندان نظر آئے جو آزادی کی خاطر ایک مرتبہ کی پریشانی سے ڈرتے ہیں اور بار بار غلامی کا ٹیکس ادا کرتے ہیں، ایسا ٹیکس جس کا آزادی کے ٹیکس سے کوئی تناسب نہیں۔ جو غلامی کے ٹیکس کا عشر عشیر بھی نہیں ——— قوم یہود نے بہت پہلے اپنے نبی سے کہا تھا (اے موسیٰ اس میں ظالم لوگ ہیں وہ جب تک اس میں رہیں گے ہم ہرگز ہرگز اس میں داخل نہ ہوں گے تم اور تمھارے رب جاؤ جنگ کرو ہم یہاں بیٹھے ہیں) قرآن مجید یہود نے عزت و آزادی کی تکلیف کے اس انکار کی قیمت چالیس سال تک صحرا میں بھٹک کر ادا کی۔ ریت ان کو جھلستی رہی پردیس کی زندگی کی ذلت جھیلتے رہے خطرات ان کو ادھر سے ادھر دوڑاتے رہے مگر ان سے یہ نہ ہو سکا کہ اس کا بہت کم حصہ بہادری کی دنیا میں عزت و کامیابی کے لئے جھیل لیتے ٹیکس تو بہر حال ہر فرد و جماعت، اور قوم و ملت کے لئے ادا کرنا ضروری ہے چاہے وہ اس کو عزت و بڑائی کے لئے ادا کریں یا ذلت و رسوائی اور غلامی کے لئے بہتر اس حقیقت کو بتاتے ہیں جس سے کوئی مفر نہیں۔

جو لوگ آزادی کی پریشانیوں سے ڈرتے ہیں، عزت و شریف کے انجام سے خائف رہتے ہیں اور اپنے چہروں کو پیروں تلے روندا کر ذلیل کرتے ہیں، وہ لوگ امانت میں خیانت کرتے ہیں۔ اپنی عزتوں سے خیانت کرتے ہیں، مقام انسانیت سے خیانت کرتے ہیں۔ ان بڑی بڑی قربانیوں سے خیانت کرتے ہیں جو ان کی قوم اور انسانیت نے اپنی آزادی و گلو خلاصی کے لئے پیش کیں۔ میں ان لوگوں سے کہتا ہوں۔ ان ضمیر فروشوں سے کہتا ہوں۔ خود فراموشی اور خدا فراموشی کے ان سورماؤں سے کہتا ہوں کہ وہ تاریخ کے عبرتناک واقعات پر غور کریں، عہد قریب میں جو ذلت کی جو مثالیں گذری ہیں ان پر غور کریں۔ میں انکو شب و روز مسلسل پیش آنے والے واقعات پر غور کرنے کی دعوت دیتا ہوں۔ وہ دیکھیں اور سوچیں کہ ذلت کا ٹیکس عزت کے مقابلہ میں کتنا مہنگا پڑتا ہے۔ وہ سوچیں کہ آزادی کے مصائب غلامی کے مصائب سے کتنے کم ہیں، جو موت کو لبیک کہتا ہے زندگی اس کا دامن تھامتی ہے، جو لوگ فقر سے نہیں ڈرتے ان کو شاہوں کا سا غنا نصیب ہوتا ہے، جو لوگ جاہ و جلال اور اقتدار و قوت سے نہیں خائف ہوتے، جاہ و جلال اور اقتدار اور قوت خود ان سے خائف رہتے ہیں۔

ہمارے سامنے ماضی قریب کی بہت سی مثالیں ہیں کہ وہ ذلیل اور پست ہمت لوگ، جنھوں نے ضمیر فروشی کی، خیانت و دغابازی کی، اپنے کو رسوائے زمانہ کیا، اور اس طرح گئے کہ کسی کو ان کے جانے کا غم نہ ہوا بلکہ وہ خدا کی لعنت کے سزاوار اور لوگوں کی ملامت کا نشانہ بنے۔

ٹھیک اسی طرح ہمارے سامنے ایسی بھی مثالیں ہیں اگرچہ وہ تھوڑی ہیں کہ جن حوصلہ مندوں نے ذلت و رسوائی سے انکار کیا، خیانت کرنے ——— اور جوہر مردانگی کی سودے بازی سے انکار کیا وہ عزت کے ساتھ زندہ رہے اور عزت کی موت

شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی صاحبؒ لاہوری

سید محمد ثانی حسنی
مدیر ماہنامہ "رضوان" لکھنؤ

میں نے دیکھا ہے خدا کا ایک ایسا بھی ولی
جس کے دم سے خیر و برکت کی ہوا گھر گھر چلی

رشد و عرفاں کی چلی بادِ بہارِ جانفزا
ڈالی ڈالی گلشن اسلام کی پھولی پھلی

اس ولی کی زندگی تھی پاک سے پاکیزہ تر
زندگی وہ نور کے سانچے میں ہو جیسے ڈھلی

اس کی صحبت میں ہر اک کو یاد آتا تھا خدا
اک نظر میں دور ہو جاتی تھی دل کی بے کلی

صاحبِ علم و فضیلت زاہدِ شب زندہ دار
ہر عمل جس کا تھا پیارا ہر ادا جس کی بھلی

تھا جو قرآں کا مفسر اور حکیم نکتہ داں
جس نے بتلایا ہر اک نکتہ خفی ہو یا جلی

مرد خود گاہ و حق بیں با خدا مردِ غیور
جس نے قصر سلطنت میں ڈال دی تھی کھلبلی

جس کے دم سے شرک و بدعت کا اندھیرا چھٹ گیا
مشعل توحید و سنت ہر قدم ہر دم جلی

انجمن خدام دیں لاہور کا بانی تھا جو
تھا خدا کا برگزیدہ حق رسیدہ وہ ولی

وہ ولی کیا تھا ولی گر تھا امام الاتقیا
جس سے مہکی تھی ولایت کے چمن کی ہر کلی

تذکرہ ہے جس کے اوصافِ حمیدہ کا یہاں
اس مبارک شخصیت کا نام ہے احمد علی

وہ امیر کاروان راہِ حق عالی مقام
آفتاب رشد و عرفاں حضرت احمد علی

عربی سے ترجمہ: انیس احمد ندوی

وہ غدّار

یہودیوں کے سب سے بڑے لیڈر "حیی بن اخطب" نے جب رات کی تاریکی میں چاروں طرف پورے میدان میں آگ کے شعلے دیکھے تو اس کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا۔ اور آہستہ آہستہ اس کی مسکراہٹ بلند قہقہے میں تبدیل ہو گئی لیکن جلد ہی یہ کیفیت مایوسی میں تبدیل ہونے لگی۔ "کیا محمدؐ اس عظیم الشان لشکر کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔؟" پھر شانِ کبریائی کے ساتھ اپنی گردن کو ذرا اونچی کیا۔ پھر ایک ٹھنڈی سانس لے کر "یثرب" کا جائزہ لینے لگا جس کا انھوں نے محاصرہ کر رکھا تھا۔ اور بڑبڑانے لگا "مکّہ کے بڑے بڑے شرفاء اور قبیلہ "غطفان"، "اسد" و "فزارہ" کے بہادر اور جیالے نوجوان، اور یہود کے بڑے بڑے عیار و مکّار ہماری طرف ہیں۔ اور یہ بارہ ہزار بہادر نوجوان تیار کھڑے ہیں۔ جنھوں نے یہ عہد کر رکھا ہے کہ مسلمانوں کو بغیر شکست دیے ایک قدم بھی پیچھے نہیں لوٹ سکتے۔"

پھر ابوسفیان کو مخاطب کر کے بولا، اے ابوحنظلہ! یہ آخری موقع ہے"! ابوسفیان نے خندق کی طرف نظر دوڑائی جہاں سے "مدینہ منورہ" میں داخل ہونے کا راستہ تھا۔ پھر غور کرنے لگا کہ کون کون سی چیزیں ہماری فتح میں مانع بن سکتی ہیں۔ پھر محمدؐ کے حلیف یہود "بنو قریظہ" کی طرف اس کا ذہن گیا جنھوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عہد کیا تھا کہ وہ مسلمانوں کی اقتصادی مدد کریں گے اور پیچھے سے ان کی حفاظت کریں گے؛

ابوسفیان سوچنے لگا کہ آخر ہماری اتنی فوجی طاقت کیا ہوگی۔ اگر ہم خندق بھی پار نہ کر سکیں یا پیچھے سے محمدؐ پر حملہ بھی نہ کر سکیں۔ محمدؐ کے ساتھی ایک ہزار سے زیادہ نہیں ہو سکتے، جو خوف، بھوک اور ناامیدی کا شکار ہو چکے ہیں اور ان میں بھی کچھ لوگ ہمارے ہمدم و ہمنوا ہیں؛

پھر ابوسفیان کو معرکۂ "بدر" یاد آیا، کہ اس معرکہ میں مسلمان کم تھے مگر فتح نے انھیں کے قدم چومے۔ پھر "یوم احد" یاد آیا کہ مسلمان ظاہری طور پر شکست تو کھا گئے تھے مگر حقیقت میں انھیں کی فتح ہوئی، اس لئے کہ دوسرے دن دشمنوں کو مار بھگانے کے لئے مسلمان میدان میں نکل آئے تھے اور پھر مستعد ہو گئے تھے۔

ابوسفیان غضبناک ہو کر بولا۔ ہم نے خندق پار کرنے کی کوشش کی لیکن معمولی جھڑپ کے بعد ہم کو ناکامی ہوئی معرکہ طول پکڑتا جا رہا ہے؛ اور فضا میں خنکی بڑھتی جا رہی ہے اور قبیلہ غطفان کے لوگ طویل جنگ کے لئے آمادہ نہیں ہیں، اگر ہم لوگ اس سے زیادہ انتظار کریں تو ممکن ہے کہ وہ ہمارا ساتھ چھوڑ دیں؛

ابوسفیان تھوک نگلتے ہوئے بولا، "بنو قریظہ" تو محمدؐ کے حلیف ہو گئے ہیں اور ہم اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتے جب تک کہ وہ بھی ہمارے ساتھ شامل نہ ہو جائیں! اور اے "ابن اخطب"! تم پہلے ہی اسی بات کا ہم لوگوں سے وعدہ کر چکے ہو۔ تم ان کے قلعہ میں جاؤ اور ان سے مشورہ کر کے دیکھو تو ان کی کیا رائے ہے؟

مسلمان شاید کہ اس سے پہلے اتنی سخت مصیبت میں گرفتار نہ ہوئے ہوں گے۔ یہود نے تمام قبائل عرب کو اپنی طرف ملانے کی پوری کوشش کی تھی اور ان کو مال غنیمت کا خوب سبز باغ دکھایا تھا۔ ان سے مال و اسلحہ سے مدد کرنے کا وعدہ کر لیا تھا۔ اور "دعوت اسلامی" کو ختم کرنے کے لئے ایک بہت بڑی جماعت تیار کر لی تھی، یہودیوں نے محمدؐ سے اپنے کئے ہوئے عہد کا کوئی لحاظ نہیں کیا۔ وہ تو خون کے پیاسے تھے۔ ان کے سینے بغض و حسد سے جل رہے تھے، مسلمانوں کے ہاتھوں "بنو قینقاع" اور "بنو نضیر" کو جو ذلت و رسوائی اٹھانی پڑی تھی اس کی تلافی کرنا چاہتے تھے۔

حیی ابن اخطب "دوڑ کر" "بنو قریظہ" کے یہاں گیا اس کو معلوم تھا کہ ان کے سردار "کعب بن اسد" اپنے فیصلہ میں اٹل اور بہت ہی سخت آدمی ہیں۔ اور محمدؐ سے انھوں نے جو عہد کیا ہے شاید کہ اسی کو نبھانے پر مصر رہیں، لیکن "ابن اخطب" پھر ان کو اپنی صف میں شامل کئے واپس نہیں آئے گا، یہ موقع غنیمت ہے"

میری ہی قوم "بنو نضیر" کو محمدؐ نے پارہ پارہ کر دیا، اور ان کی غداری و خیانت کے جرم میں بڑی ذلت و رسوائی کے ساتھ عذاب کے طور پر ان کے دیار سے نکال کر صحرا کی طرف بھگا دیا۔ محمدؐ کو اتنی جرأت کیسے ہوئی کہ ان پر عذاب مسلط کریں۔ شاید وہ "حق" کی قوت تھی، مگر حق تو وہ ہے جو ہم کہیں۔ محمدؐ یہ سمجھتے ہیں کہ یہود مسلمانوں کے اور عہد و معاہدہ کے غلام ہیں؛ ہم اسی کو مانیں گے جس میں ہماری بھلائی ہوگی اور ہم جس کو چاہیں گے، یہ تو محمدؐ اور ان کے اصحاب کی ہٹ دھرمی اور ضد ہے۔ اور جو یہودی بھی اس جزیرۂ عرب میں ان کے راستہ کو اختیار کرے گا وہ یا تو نہایت ہی احمق ہوگا یا خائن اور غدار ہوگا۔ پھر اچانک "حیی" کے افکار کا سلسلہ ٹوٹ گیا اس لئے کہ وہ بنو قریظہ کے قلعہ کے پاس پہونچ گیا تھا۔ دروازہ بند تھا۔ زور سے دروازہ کھٹکھٹایا، "کعب بن اسد" نے دیوار کے روشندان سے جھانکا اور بلند آواز سے بولے۔

"کون آیا ہے"؟ ——— "حیی ابن اخطب"!

اے "کعب بن اسد" میں ایک غیر معمولی معاملے کے لئے آپ کے پاس آیا ہوں ——— "کعب نے" شور مچاتے ہوئے کہا "دور ہو جاؤ" ہمارے دیار سے بھاگ جاؤ، تمھاری یہاں کوئی ضرورت نہیں ہے۔"

حیی نے کہا۔ "یہ صحیح نہیں ہے کہ آپ [illegible] مصیبت میں میرے لئے اپنا دروازہ بند کر لیں، تمام قبائل عرب نے ہر جگہ میرے لئے اپنا دروازہ کھول دیا ہے۔

"کعب نے عزم مصمم کے ساتھ کہا۔ میں جانتا ہوں کہ تم کس لئے آئے ہو! بہتر ہے کہ تم چلے جاؤ" ———

"حیی ابن اخطب" نے ہمہ گیر خوشی سے چلا کر کہا اے دھوکہ کھائے ہوئے شخص! افسوس ہے آپ پر! میں آپ کے پاس زمانہ کی عزت لے کر آیا ہوں۔ میں نے پورے قریش کو آپ کے پاس لا کر کھڑا کر دیا ہے انھوں نے مجھ سے عہد کر لیا کہ وہ محمدؐ اور ان کے اصحاب کا خاتمہ کئے بغیر اپنی جگہ سے ٹل نہیں سکتے۔

سخت ٹھنڈک کے باوجود کعب کی پیشانی سے پسینہ ٹپکنے لگا۔ عجیب کشمکش میں مبتلا ہو گئے، ایک طرف مسلمانوں کے عہد کو نبھانا تھا اور دوسری طرف مسلمانوں کو ختم کرنے کی دبی ہوئی خواہش تھی، وہ چاہتے تھے کہ مسلمانوں کی آواز کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دبا دیں۔ یہ ان کی دلی تمنا تھی۔

لیکن پھر غضبناک ہو کر چیخے! بخدا تم میرے پاس زمانہ کی ذلت لے کر آئے ہو۔ میں نے تو محمدؐ کے اندر سوائے صدق و وفاداری کے کچھ نہیں پایا۔ اے حیی! تم میرے پاس بے پانی کا بادل لے کر آئے ہو جو برس چکا ہے۔ اس میں چمک و گرج کے سوا کچھ نہیں ہے۔ افسوس ہے تم پر اے حیی!!! میں جس موقف پر ہوں اسی پر مجھے رہنے دو۔

حیی دیوانہ وار قلعہ کے دروازے کو پیٹنے لگا! اے کعب آپ کو کیا ہو گیا ہے۔ اگر آپ میرے لئے اپنا دروازہ نہیں کھولیں گے تو ہمارے آدمی ہمیشہ آپ پر لعنت بھیجیں گے۔ اگر ہم اس مرتبہ شکست کھا گئے تو پھر کبھی فتحیاب نہیں ہو سکتے۔ ہزاروں لوگ تلواریں اور نیزے لئے میدان جنگ میں مقابلہ کے لئے کھڑے ہیں۔ اور پھر ہم دوبارہ اتنی بڑی جماعت اکٹھا نہیں کر سکیں گے، یہ موقع بہت غنیمت ہے۔ اور اے "کعب بن اسد"! فتح و کامرانی کی کنجی آپ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ آپ "یثرب" کے اندر رہیں، اور آپ کے ساتھ سات سو سے زیادہ جنگجو ہیں۔ اگر آپ لوگ ہماری طرف صرف نگاہ کرم کر دیں تو فتح و کامرانی ہمارے قدم چوم لے گی، اور بغیر جنگ و مقابلہ کے محمدؐ ہمارے سامنے سرِ تسلیم ——— خم کر دیں گے اور گھٹنے ٹیک دیں گے؛ آپ اس وقت شرافت و بزرگی کے عظیم مرتبہ پر فائز ہیں آپ صرف ایک قدم آگے بڑھئے اور پھر ہم دیکھ لیں گے، پھر حیی نے ایک کھسیانی ہنسی کے بعد کہا! بخدا آپ صرف کھانا کھلانے کے خوف سے اپنا دروازہ بند کر دیا تھا؟ کعب نے بڑے افسوس کے ساتھ کھڑے ہو کر فرمایا تم بہت ہی منحوس آدمی ہو۔ اس یقین کے باوجود میں تمہارے لئے اپنا دروازہ کھول رہا ہوں۔ پھر بنو قریظہ کے تمام لیڈروں کی ایک نشست منعقد ہوئی ——— حیی بن اخطب نے کوشش کی کہ موت کو خوب حسین انداز میں ان کے سامنے ذکر کرے اور ان کے دلوں میں یہ بات ذہن نشین کر دے کہ فتح و کامرانی ہماری ہی ہوگی، اور یہ لڑائی انھیں کی وجہ سے ختم ہو سکتی ہے، تمام سردار متفق ہو گئے، اور کسی نے اعتراض نہیں کیا، لیکن عمرو بن سعدیٰ بول اٹھے، "اگر تم لوگ محمد صلعم کی مدد نہیں کر سکتے تو ان کو بھی چھوڑ دو اور ان کے دشمنوں کو بھی چھوڑ دو؛ لیکن بغض و حسد ان کی عقلوں اور دلوں میں حق کی روشنی قبول کرنے سے مانع بن گئے، ان کے دل حق کی روشنی قبول کرنے سے عاجز تھے۔

٭ ٭ ٭

بڑی مصیبت کا وقت تھا، بڑا ہی سخت اور دشوار مرحلہ تھا، بھوکے بھیڑیے "یثرب" کو گھیرے ہوئے تھے اور مسلمان خندق کے اس پار جاگ جاگ کر راتیں گذار رہے تھے۔ ان کی نیند حرام ہو گئی۔ بھوک اور ٹھنڈک، لاغری نے ان بیچاروں کو بالکل نڈھال کر دیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنو قریظہ کی طرف سے بے حد متفکر تھے مگر آپؐ کے صحابہؓ تسلی دیا کرتے تھے، اور جب معلوم ہو گیا کہ ان لوگوں نے بدعہدی کر دی ہے تو ایک اور مصیبت میں پڑ گئے، سب مسلمان گھبرا گئے، تڑپ اٹھے ان کی بھوک اور تکلیف میں اور زیادتی ہو گئی، عورتیں اور بچے ان غدار یہودیوں کے خطرے سے بچنے کے لئے قلعہ میں داخل ہونے لگے۔

ادھر منافقین آوازے کسنے لگے، کہ محمدؐ تو ہم سے قیصر و کسریٰ کے خزانے کا وعدہ کر رہے تھے اور آج حالت یہ ہے کہ سب کی جان ہی خطرے میں پڑ گئی ہے۔ نفسی نفسی کا عالم طاری ہو گیا ہے۔ یہاں تک کہ قضائے حاجت کے لئے باہر جانا خطرے سے خالی نہیں ہم سے تو اللہ اور اس کے رسولؐ نے دھوکہ کا وعدہ کیا تھا۔ وہ سب ایک خواب تھا جو شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا۔ اب شکست میں کوئی شبہہ نہیں رہ گیا تھا۔ نجات کی کوئی امید ہی نہیں تھی اور دشمن اب مسلمانوں پر ٹوٹ پڑنے کے لئے تیار تھے۔ کعب بن اسد اور ان کے اصحاب نے کتنا بڑا جرم کیا تھا۔ بالکل صفایا کر دینے والا وار تھا۔ لیکن کیا کوئی تصور کر سکتا ہے کہ ایسے وقت میں رات کی تاریکی میں کوئی عقلمند آدمی دشمنوں کی صف سے نکل کر پوشیدہ طور پر اپنے اسلام لانے کا اعلان کرے گا۔؟ یہ نعیم بن مسعودؓ ہیں۔ یہودیوں کے ساتھی۔ غطفان کے سفیر کا بچہ قریش میں رات کے قصہ گو تھے، مسلمان ان کی طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہے تھے اور ان پر سوالات کے بوچھار کر دیئے، ان کو یقین ہی نہیں ہوتا تھا کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے، اور سب سے زیادہ تعجب کی بات یہ تھی کہ ایسے وقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بہو کے اور فرمانبردار ساتھیوں کو یقین دلا رہے تھے کہ اللہ نے مجھ سے مدد کا وعدہ کیا ہے؛

نعیم بن مسعودؓ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو کھڑے ہو کر فرمایا۔

"یا رسول اللہ میں اسلام لا چکا ہوں، میری قوم کو میرے اسلام لانے کی خبر نہیں ہے۔ اب آپ مجھ کو جس چیز کا چاہیں حکم دے دیں۔" رسول اللہ صلعم نے فرمایا۔ چوں کہ تم تنہا ہو اس لئے تم ہم سے الگ رہ کر جو چاہو کر سکتے ہو اس لئے کہ لڑائی اور جنگ تو فریب ہی کا دوسرا نام ہے۔"

نعیمؓ بنو قریظہ کے پاس گئے۔ وہ ان کے ساتھی بھی تھے اور ان کے نزدیک بہت معتبر بھی تھے۔ ان سے انھوں نے کہا کہ آپ لوگ جنگ شروع کرنے سے پہلے حیی بن اخطب کے چند آدمیوں کو لے کر رہن رکھ لیں تاکہ اگر وہ بدعہدی کریں تو ان سے وہ محمدؐ کا بدلہ لے سکیں۔ پھر اپنے لوگوں کو چھوڑ کر دوسرے گروہ کے پاس گئے، اور ان کو سمجھایا کہ بنو قریظہ محمدؐ سے صلح کرنے پر تیار ہو گئے ہیں۔ اور وہ آپ کے چند آدمیوں کو محمدؐ کے پاس اپنی سچائی اور دوستی ثابت کرنے کے لئے بھیجیں گے۔ آپ کی یہ تدبیر کام کر گئی۔

چنانچہ جب جنگ شروع ہوئی تو بنو قریظہ نے ان سے رہن مانگا تو نعیمؓ کی بات کی تائید ہو گئی نتیجہ یہ ہوا کہ سب عہد و معاہدہ ٹوٹ گیا۔ اور دونوں طرف سے شکوک و شبہات ظاہر ہو کر سامنے آ گئے۔

جب رات ہوئی تو ابوسفیان کا دل غم کے مارے بیٹھنے لگا اور حیی بن اخطب بنو قریظہ کو ان کے قلعوں میں رکھ کر سخت کشمکش میں پڑ گیا۔ اور ایک قیدی چوہے کی طرح حیران و پریشان ادھر ادھر دوڑ دھوپ کر رہا تھا کہ بگڑی ہوئی بات کو بنا لے مگر سب بے فائدہ ثابت ہوا اور اس کی تمام تدبیریں ناکام ہو گئیں؛

رات میں بہت ہی تیز آندھی چلی، چولہے کی ہانڈیاں الٹ گئیں، خیمے اکھڑ گئے اور منہ، آنکھ، کان، ناک سب غبار سے اٹ گئے۔ ابوسفیان گھبرا کر اٹھا اور چلانے لگا۔ شاید کہ مسلمانوں نے ہم پر غفلت کے وقت حملہ کر دیا ہے؛ عکرمہ بن ابوجہل نے اس کو رد کرتے ہوئے کہا یہاں تو ان لوگوں کا نام و نشان بھی نہیں ہے۔

ابوسفیان کے پیروں تلے سے زمین کھسکنے لگی۔ "کیا محمدؐ ہی حق پر ہیں"؟ لیکن اس نے اپنے ذہن سے اس بات کو جھٹک دیا۔ اور عناد و سختی کی رو میں بہہ گیا۔ بلند آواز سے چیخ کر کہا، "طلوع فجر سے قبل ذلت و رسوائی کا مزہ چکھنے سے پہلے تم لوگ کوچ کر جاؤ" قبیلہ غطفان، اسد و فزارہ نے دیکھا کہ قریش کچھ نہیں کر سکے تو یہ لوگ بھی رات کی تاریکی میں بھاگ گئے۔"

سورج طلوع ہوا، تو قریظہ کے سردار کعب بن اسد کے چہرہ کا رنگ بجھ گیا اور تیزی کے ساتھ دل دھڑکنے لگا قریب تھا کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے لیکن دیکھا کہ ان کے پیچھے حیی بن اخطب سر جھکائے کھڑے ہیں۔ کعب نے بہت ہی درد بھرے انداز میں فرمایا "سب کوچ کر گئے"! حیی نے کہا کہ مجھ کو بھی معلوم ہے اور اے حیی اب صرف ہم ہی لوگ تنہا باقی رہ گئے ہیں۔ حیی نے کہا! مجھ کو بھی اس کا علم ہے؛

اس کے بعد کعب ایک وحشی درندے کی طرح "حیی" پر ٹوٹ پڑے اور اس کی گردن میں اپنے ناخن گاڑ کر بولے "میں نے تم سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ تم بہت ہی منحوس اور بدبخت آدمی ہو"! کچھ لوگوں نے ان کو کعب کے پنجے سے رہائی دلائی؛

ان کے پہلو میں ایک بڑھیا کھڑی تھی کہنے لگی "اے ابنائے یہود! تم لوگ اسی طرح ہمیشہ رہو گے۔ ہمیشہ تم لوگوں کے اصرار و ہٹ دھرمی کا اسی طرح افسوسناک انجام ہوتا رہا ہے! تمہاری غداری و خیانت کے جرم میں ابھی محمدؐ تم کو گرفتار کرنے آئیں گے اور تم سب کو گرفتار کر لیں گے اور اس وقت رونا دھونا یا عذر کرنا سب بے فائدہ ہوگا اور تھوڑی دیر کے بعد مسلمانوں کے گشتی دستے "مدینہ منورہ" کو فساد سے پاک کرنے کے لئے آن پہونچیں گے تاکہ خیانت و غداری کی جڑ کو سرے سے کاٹ کر پھینک دیں۔ فیصلہ کا وقت آ پہونچا، حیی بن اخطب مجرم کے کٹہرے میں کھڑے ہیں اور تلوار ان کے سر پر جھک رہی ہے، اس نے آنحضور صلعم سے کہا "اے محمدؐ میرے نفس نے آپ کی عداوت پر کبھی مجھ کو ملامت نہیں کیا" پھر یہودیوں سے مخاطب ہوا "اے بنو قریظہ۔ کوئی حرج نہیں ہے۔ یہی ہمارے مقدر میں لکھ گیا ہے۔ اور خدا نے بنو اسرائیل پر مارکاٹ مسلط کر دی ہے" ——— پیچھے سے ایک یہودی عورت کی آواز آئی "حیی بن اخطب! ملعون! ہمیشہ تمھاری ہی وجہ سے مصیبت آئی ہے۔ پھر اس ملعون کے ہونٹ ایک کھسیانی ہنسی کے ساتھ کھل گئے، اس کی آنکھیں چکاچوند ہو گئیں، کیا دیکھتا ہے کہ سامنے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک چمک رہا ہے اور زبان پر یہ آیت کریمہ جاری ہے، "وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوا خَيْرًا" اللہ تعالیٰ نے کافروں کو ان کے غیظ و غضب سمیت ناکام واپس کر دیا اور کوئی بھلائی ان کے حصہ میں نہ آسکی۔

بقیہ قرآن کا پیام

ثلثة ایام۔ تین دن اور تین راتیں۔ دن کہنے سے رات اس میں تبعاً شامل ہو گئی ہے سکوت طویل خصوصاً صوم سکوت کی حالت میں قدیم مذاہب والوں میں جزو عبادت رہ چکا ہے۔

رمزا۔ رمز عام ہے اس میں ہر طرح کے اشارے بھی آ گئے اور [illegible] کے بھی اور ان کے علاوہ بھی۔

انجیل میں اس مقام پر ہے۔ "اور وہ ان سے اشارے کرتا تھا اور گونگا رہا" [illegible] فقہاء مفسرین نے آیت سے استدلال کیا ہے کہ اشارہ بھی کلام کا قائم مقام ہے۔ (دریابادی سے)

مستقل عنوان

ذرا یہ بھی سنئے .....

محمد کلیم اللہ خاں

گھر۔ گھر۔ گھر۔ بس اسٹارٹ ہوئی اور ایک دھچکے کے ساتھ اپنے سفر پر روانہ ہو گئی۔ کچھ دیر قصبہ کی تنگ سڑکوں پر سانپ کی طرح رینگتی رہی اور جب کشادہ سڑک پر آئی تو فراٹے بھرنے لگی۔ صبح کا سہانا وقت۔ خوشگوار موسم اور سڑک کے دونوں طرف ہرے بھرے لہلہاتے ہوئے کھیت سفر کو پرلطف بنا رہے تھے۔ میں بس کی اگلی سیٹ پر بیٹھا ہوا قدرت کے دلربا مناظر سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ پسنجر ہونے کی وجہ سے راستہ کے ہر قصبہ پر بس رکتی کچھ مسافر اترتے کچھ سوار ہوتے ایک مقام پر بس رکی تو ایک شریف صورت بزرگ اپر کلاس میں داخل ہوئے جسم پر سفید براق شیروانی سر پر چکن کی دو پلی ٹوپی پیروں میں سفید کامدار ناگرا جوتے۔ اور ہاتھ میں کالی چھتری۔ باہر کی گرمی اور گرد و غبار سے پریشان میرے برابر آ کر بیٹھ گئے۔ جیب سے رومال نکال کر چہرہ کا پسینہ پونچھا اور کپڑوں پر سے دھول جھاڑی۔ بس چلی اور ٹھنڈی ہوا چلی تو ان کے ہوش و حواس بجا ہوئے۔ میں نے سلام کیا تو انھوں نے نہایت خندہ پیشانی سے جواب دیا اور میری موجودگی پر اظہار مسرت کیا۔ تھوڑی دیر میں جیب سے پان کی ڈبیہ نکالی اور کھول کر میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا "جناب شوق فرمائیں" میں نے شکریہ ادا کرتے ہوئے ایک پان کی گلوری اٹھا کر منہ میں رکھی۔ وہ بولے "ارے تکلف کی کیا بات ہے دو بیڑے لیجئے" میں نے جواب دیا۔ میں تمباکو تو کھاتا نہیں کبھی کبھار پان ضرور کھا لیتا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ تمباکو نہ کھانے والوں کا پان کھانا پان پر ظلم کرنا ہے۔ ایک پان تو میرے ظلم کا شکار ہو ہی رہا ہے۔ اب دوسرے کو تو رہنے دیجئے" میری بات پر وہ بہت محظوظ ہوئے اور فرمانے لگے "جناب بہت پر مذاق آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ کہاں تشریف لئے جا رہے ہیں" میں نے جواب دیا "میں لکھنؤ جا رہا ہوں۔ اور آپ" "میں تو بس اگلے اسٹاپ پر اتر جاؤں گا میں وہاں وکالت کرتا ہوں۔ یہاں ایک مقدمے کے سلسلے میں آیا تھا" اسکے بعد مختلف موضوعات پر ہم دونوں کی گفتگو ہوتی رہی۔ اور جب تعلیم کا تذکرہ آیا تو میں نے وکیل صاحب سے دریافت کیا "آپ کے شہر میں کوئی اسلامیہ اسکول یا انٹر کالج ہے؟"

"جی نہیں۔ ایک دینی تعلیم کا مدرسہ ضرور ہے"

"صرف ایک مدرسہ۔ کیا پورے شہر کو کفایت کرتا ہے"

"پورے شہر میں تو ہزار سے اوپر بچے ہوں گے جن کی عمریں پرائمری تعلیم کی ہیں۔ مگر مدرسوں میں پڑھنے ہی کتنے آتے ہیں"

"اس مدرسہ میں کتنے بچے تعلیم حاصل کر رہے ہیں"

"تقریباً سو بچے ہوں گے"

"کیا تعلیم دی جاتی ہے"

"ابتدائی دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ پرائمری درجات کے مضامین بھی پڑھائے جاتے ہیں"

"کتنے مدرس ہیں اور کیا ان کا مشاہرہ ہے"

"دو مدرس ہیں۔ ہیڈ ماسٹر کو ساٹھ روپیہ اور دوسرے مدرس کو پچاس روپیہ دیتے ہیں"

"آپ کا اس مدرسہ سے کیا تعلق ہے"

"الحمد للہ۔ میں اس کا صدر ہوں، بس یوں سمجھ لیجئے سارا بار میرے ہی کاندھوں پر ہے"

"ماشاء اللہ آپ بڑا ضروری کام انجام دے رہے ہیں"

"بس دعا کیجئے خدا قبول کرے"

"آپ کی نظر میں مدرسہ قابل اطمینان تعلیم کا بندوبست ہے"

"یقیناً میں بڑی کڑی نگرانی رکھتا ہوں اور ہمارے سکریٹری صاحب بھی برابر دیکھ بھال رکھتے ہیں"

"کیا آپ کے بچے بھی اس مدرسے میں تعلیم حاصل کرتے ہیں"

"جی نہیں۔ ماشاء اللہ سے میرے بچے تو سب بڑے ہیں صرف ایک چھوٹا بچہ ہے۔ وہ کے۔ جی۔ میں پڑھتا ہے"

"آپ کے دوسرے اعزا کے بچے ....."

"ہمارے خاندان کے سب بچے انگلش نرسری اسکولوں میں ہی داخل ہیں"

"سکریٹری صاحب کے بچے کہاں پڑھتے ہیں"

"ان کے بچے بھی نرسری اسکولوں میں پڑھتے ہیں۔ تقریباً سارے رؤسا اپنے بچوں کو انگلش نرسری اسکولوں میں بھیجتے ہیں"

"کیا بات ہے کہ آپ لوگوں کے بچے دینی مدرسے میں نہیں پڑھتے، بلکہ ایسے اسکولوں میں پڑھنے جاتے ہیں جہاں نہ صرف دینی تعلیم سے محروم رہتے ہیں بلکہ غیر اسلامی طور طریقے سیکھتے ہیں؟"

"یہ کہنا تو آپ کا ٹھیک ہے۔ مگر ان مدرسوں کا معیار بہت گھٹیا ہے۔ نہ صفائی ستھرائی کا خیال اور نہ بیٹھنے کا ٹھیک انتظام اور ایک مدرس درجنوں لڑکوں کو پڑھاتا ہے میں تو سمجھتا ہوں کہ ان مدرسوں میں بچوں کو پڑھنے بھیجنے سے اچھا ہے کہ پڑھایا ہی نہ جائے"

"آپ نے تو ابھی فرمایا تھا کہ ہمارے مدرسہ میں قابل اطمینان تعلیم ہوتی ہے اور ....."

"اجی میاں جیسے بچے وہاں پڑھنے آتے ہیں ان کیلئے اچھی خاصی تعلیم ہوتی ہے"

"آپ کا مطلب یہ ہے کہ غریب مسلمانوں کے بچے اچھی تعلیم کے مستحق نہیں"

"آپ تو کج بحثی کرنے لگے۔ اچھی تعلیم کے مستحق کیوں نہیں ہیں۔ کریں نہ خرچ! ہم لوگ اپنے ایک ایک بچے پر پچیس تیس روپیہ ماہوار نرسری اسکولوں میں خرچ کرتے ہیں"

"آپ جیسے رؤساء شہر اس روپیہ کو ان مدرسوں میں دینے لگیں تو یہ مدرسے بھی معیاری ہو جائیں گے"

"نہ بھائی۔ پہلے یہ مدرسے کسی قابل بھی ہوں تب ان پر روپیہ لگایا جائے۔ نہ پڑھائی نہ لکھائی مڈل پاس ماسٹر اور مولوی رکھے جاتے ہیں جو بچوں کا ناس مار دیتے ہیں ان کا اور انگلش نرسری اسکولوں کا کیا مقابلہ"

"جناب من آپ خفا نہ ہوں ذرا ٹھنڈے دل سے غور کریں کہ یہ قصور کس کا ہے؟ انگلش نرسری اسکولوں کو چلانے والوں نے ان پر پہلے روپیہ لگایا ہے۔ برسوں محنت کی ہے اور دن و رات ایک دھن سے کام کیا ہے۔ جب ایسے معیاری اسکول وجود میں آئے ہیں ہم اپنے مدرسوں پر کتنا خرچ کرتے ہیں، کتنا وقت لگاتے ہیں، اور کتنی فکر کرتے ہیں؟ حد یہ ہے کہ اپنے بچوں کو ان مدرسوں میں پڑھنے بھیجنا تک پسند نہیں کرتے! کیا کوئی عیسائی اپنے بچے کو مشنری اسکولوں کے علاوہ کہیں پڑھنے بھیجتا ہے؟"

"اجی بہت سر مارا دوڑے دھوپے اور چلائے۔ نہ کوئی مدرسہ میں چندہ دیتا ہے اور نہ آ کر جھانکتا ہے، سب آپ کی طرح باتیں بناتے ہیں"

"میرے محترم بات یہ ہے کہ دین کے کام کو ہم اپنا کام نہیں سمجھتے۔ وہ کام جن کو ہم اپنے ذاتی کام سمجھتے ہیں وہ برابر ہوتے رہتے ہیں۔ اپنے کاموں کی ذمہ داری ہم اپنی سمجھتے ہیں مگر دین کے کام کی ذمہ داری دوسروں کی سمجھتے ہیں"

"کیا دین کی سب ذمہ داریاں میرے ہی سر پر ہیں۔ جتنا کر لیتا ہوں بہت ہے"

"کاش ہم اور آپ یہی سمجھتے کہ ہم میں سے ہر ایک تنہا دین کی احیاء اور بقا کا ذمہ دار ہے۔ کیا اچھا ہوتا کہ ہم شان صدیقی کے ساتھ یہ اعلان کرنے والے ہوتے۔ انیقص الدین۔ وانا حیی (دین میں کمی آئے اور میں زندہ رہوں)"

بس وکیل صاحب کے شہر کے بس اسٹاپ پر پہونچ چکی تھی۔ وکیل صاحب جلدی سے اسلام علیکم کہتے ہوئے بس سے اتر گئے اور میں یہ بیٹھا سوچتا رہا کہ یہ حال اکیلے ان وکیل صاحب کا نہیں ہے بلکہ آج امت کی اکثریت اس حال میں مبتلا ہے۔

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

منی آرڈر کوپن پر اپنا پتہ
صاف اور خوشخط تحریر کریں
خریداری نمبر کا حوالہ
ضرور دیں

نتیجہ کامیاب طلبہ امتحان سالانہ درجات ثانویہ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ بابت سال ۱۳۹۰ھ ۱۹۷۰ء

نمبر شمار	نام طالب علم	درجہ کامیابی
	درجہ ہشتم ثانویہ	
۱	شمیم احمد	اول
۲	نثار احمد	"
۳	سید محمد قاسم	"
۴	انوار الحق	دوم
۵	مظفر فخر الدین	"
۶	عبد الحمید	"
۷	محمد سہیل بمبئی	"
۸	اشتیاق احمد	سوم
۹	انوار عالم	"
۱۰	شمس الہدیٰ	"
۱۱	محمد سہیل اعظمی	مترقی
۱۲	احسن سعید	"
۱۳	محمد رقیب	"
	درجہ ہفتم ثانویہ	
۱	محمد رضوان	اول
۲	عبد المبین	"
۳	دانش اختر	"
۴	طٰہٰ عبد اللہ	"
۵	عبد الرشید ثانی	"
۶	عمر عادل	"
۷	نور الہدیٰ	دوم
۸	غلام نبی	"
۹	جنید اقبال	"
۱۰	محمد شعیب	"
۱۱	عبد الواحد	"
۱۲	محمد اسلم	"
۱۳	اصغر علی	"
۱۴	محمد یوسف	سوم
۱۵	محمد سلیم اول	مترقی
۱۶	محمد کامل	"
۱۷	محمد ذاکر علی	"
۱۸	عبد الرشید اول	"
۱۹	محمد ابراہیم	"
۲۰	عزیز الرحمٰن	"

نمبر شمار	نام طالب علم	درجہ کامیابی
	درجہ ششم ثانویہ	
۱	محمد ابراہیم	اول
۲	فہیم الدین	"
۳	ناصر الدین ثانی	دوم
۴	سلمان احمد	"
۵	محمد اکبر	"
۶	محمد صدیق	"
۷	ناصر الدین اول	"
۸	محمد اقبال	"
۹	خالد مصطفیٰ	سوم
۱۰	محمد لطیف	"
۱۱	محمد حسین خاں	ترقی
۱۲	محمد احمد ثانی	"
	درجہ پنجم مکتب	
۱	سید محمد نعمان	اول
۲	محمد ہاشم	"
۳	حبیب اشرف	"
۴	حفیظ الرحمٰن	"
۵	ریاض احمد	دوم
۶	اکرم حسین	"
۷	نور الحسن	مترقی
	درجہ چہارم مکتب	
۱	عبد الحکیم ناگا	پاس
۲	محمد ریاض	"
۳	زبیر احمد	"
۴	محمد اسحٰق	"
۵	محمد امان اللہ	"
۶	محمد سعید	"
۷	خالد کمال	"
۸	مطیع اللہ	"
۹	غلام محمد	"
۱۱	قاضی عبد اللہ	مترقی
۱۲	سید عبد الرحمٰن	"

نمبر شمار	نام طالب علم	درجہ کامیابی
۱۳	حسین الرحمٰن	مترقی
۱۴	عزیز الرحمٰن	"
	درجہ سوم مکتب	
۱	عطاء اللہ	پاس
۲	محمد ابراہیم	"
۳	افسر حسین	"
۴	عبد الرشید	"
۵	شفیق عالم	"
۶	محمد عرفان	"
۷	محمد فاروق	"
۸	معراج الدین	"
۹	محمد فیروز عالم	"
۱۰	محمد عزیز الرحمٰن	"
۱۱	ابو سالم	"
۱۲	بابر حسین	"
۱۳	عتیق الرحمٰن	"
۱۴	احمد	"
۱۵	سراج الدین	"
۱۶	نظام الدین	"
۱۷	محمد عرفان (۱)	مترقی
۱۸	معراج احمد	"
۱۹	محمد اقبال	"
	درجہ دوم مکتب	
۱	محمد فہیم	پاس
۲	عبد الرشید	"
۳	عبد الکریم	"
۴	محمد شفیق اول	"
۵	عبد الرحمٰن	"
۶	شفیق احمد ثانی	"
۷	حبیب الرحمٰن	"
۸	قمر الاسلام	"
۹	لئیق احمد	ترقی
۱۰	محمد نعیم	"

نمبر شمار	نام طالب علم	درجہ کامیابی
۱۱	عبد المعز	مترقی
	درجہ اول مکتب	
۱	اعجاز احمد	پاس
۲	لطیف الرحمٰن اول	اول
۳	محمد مظہر	پاس
۴	مجیب اللہ	"
۵	عبد العزیز	"
۶	محمد افتخار	"
۷	معراج الحسن	"
۸	عبد المعین	"
۹	مہتاب علی	"
۱۰	صفیہ بانو	"
۱۱	محمد شیر عالم	"
۱۲	منور علی	"
۱۳	لطف الرحمٰن	"
۱۴	بشریٰ	"
۱۵	عبد المجید	مترقی
۱۶	ساجد علی	"
۱۷	شفاعت علی	"
	درجہ اطفال مکتب	
۱	خلیل احمد	پاس
۲	ابو سفیان	"
۳	محمد اسلم	"
۴	جان عالم	"
۵	سید محمد عبد الحی	"
۶	عبد الرحمٰن	"
۷	معاذ	"
۸	سید مختار عالم	"
۹		

محب اللہ
مہتمم
دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

از: حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

دار العلوم ندوۃ العلماء، عالم اسلام کا مشہور دینی و علمی مرکز ہے جو ستتر سال سے علم دین کی خدمت انجام دے رہا ہے، اور الحمد للہ اس کے فضلا ہندوستان اور بیرون ممالک میں علمی اور دینی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

یہ حقیقت نہایت قابل توجہ ہے کہ مسلمانوں کی ہر طرح کی فلاح و بہبود ان کے اس دین سے وابستہ ہے جس کو لے کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے، مسلمان جس قدر اس حقیقت کی طرف توجہ کریں گے اور جس قدر دینی کاموں میں دلچسپی اور بلند ہمتی سے حصہ لیں گے اسی قدر اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے ان کی حفاظت و کامیابی کا فیصلہ ہوگا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان تنصروا اللہ ینصرکم و یثبت اقدامکم (اگر تم اللہ کی مدد کرو گے وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جما دے گا۔)

ہندوستان کے موجودہ حالات میں ایسے دینی اور علمی اداروں کا استحکام نہایت ضروری ہے جو اسلام کی حفاظت اور مسلمانوں میں علم دین کی اشاعت کے لئے کوشش کر رہے ہیں۔ الحمد للہ کارکنان دار العلوم ندوۃ العلماء بھی اس جد و جہد میں مصروف ہیں۔ اللہ تعالیٰ اخلاص و قبولیت سے نوازے۔

اس وقت دار العلوم میں ہندوستان کے دور دراز علاقوں کے علاوہ جنوبی افریقہ، ملیشیا، نیپال، وغیرہ کے طلبہ بھی زیر تعلیم ہیں۔ طلبہ کی مجموعی تعداد چھ سو ہے ان میں غیر ملکی (۵۰) ہیں۔ اس سال غیر مستطیع طلبہ کو تقریباً ایک لاکھ کے وظائف (اسکالرشپ) دیئے گئے۔ حضرات مدرسین و اسٹاف کی مجموعی تعداد ساٹھ ہے اس وقت ندوۃ العلماء کے سالانہ اخراجات تقریباً ساڑھے چار لاکھ ہیں

ملک میں شدید گرانی اور اس سے پیدا شدہ مشکلات کا اب ہر شخص کو خوب اندازہ ہو چکا ہے۔ اس صورت حال کا سخت اثر دار العلوم پر بھی ہے اور اس کو اپنے ضروری اخراجات پورا کرنے میں شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ اجتماعی بڑے کام بغیر عمومی تعاون کے انجام نہیں پاتے، ہمارے مسلمان بھائیوں کو اس اہم کام میں فیاضی و حوصلہ سے توجہ کی ضرورت ہے۔ خصوصاً رمضان المبارک میں صحیح روایات کے مطابق اس ماہ مبارک میں ہر عمل کا ثواب ستر گنا ملتا ہے۔ علم دین اور طالبان علم دین پر مسلمانوں کی جو پاک کمائی خرچ ہوگی انشاء اللہ وہ آخرت میں اس اجر عظیم اور دنیا میں خیر و برکت کا باعث ہوگا۔ تمام مسلمانوں خصوصاً اہل استطاعت سے گذارش کرتا ہوں کہ وہ حسب حیثیت فراخدلی سے دار العلوم کی مدد فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

رمضان المبارک اور اس کے علاوہ مختلف اوقات میں بعض حضرات اساتذہ و سفراء دار العلوم کے سلسلہ میں مختلف علاقوں میں تشریف لیجاتے رہتے ہیں۔ مقامی طور پر اگر دردمند اہل خیر حضرات دلچسپی سے تعاون فرمائیں تو انشاء اللہ دار العلوم کی اعانت کا بڑا کام ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے دین کی حمایت و نصرت کی دولت سے سرفراز فرمائیں۔ آمین

نوٹ: جو حضرات براہ راست اپنی رقوم بھیجیں وہ مندرجہ ذیل پتہ پر روانہ فرمائیں۔ رقوم جس مد کی ہوں ان کی صراحت ضروری ہے۔ چک و ڈرافٹ پر صرف "ناظم صاحب ندوۃ العلماء" لکھا جائے اور مندرجہ ذیل پتہ پر روانہ فرمایا جائے۔

ناظم صاحب ندوۃ العلماء پوسٹ بکس ۹۳ لکھنؤ

NAZIM NADWATUL ULEMA
P.O. Box. N.93 LUCKNOW.

شائع کردہ:- شعبہ تعمیر و ترقی ندوۃ العلماء لکھنؤ

بقیہ مولانا طلحہ صاحبؒ

کی مقدار کو جو عمر بھر کے لئے تھی تھوڑے وقت میں صرف کر دیا، باقی وقت یا خالی رہا یا غم کا حصہ ہو گیا۔ آبحیات ص ۲۹۳

مجھ سے بار بار فرماتے تھے کہ کئی دن کے لئے آؤ اور ساتھ رہو خطوط میں اس کی فرمائش اور خواہش کرتے رہے اور مشکل سے کوئی خط ان کا اس سے خالی جاتا تھا، کیا معلوم تھا کہ یہ آخری ملاقات ہے۔

ان کا اصل ذوق کتابوں کا مطالعہ و معلومات میں اضافہ تھا۔ تصنیف و تالیف سے ان کو کچھ زیادہ مناسبت نہ تھی، شائد ان کا وفور علم اور ذوق مطالعہ اپنے معلومات کو منضبط و منظم طریقہ پر پیش کرنے سے مانع ہوتا ہو پھر ان کو پابندیوں اور ضوابط سے فطری مناسبت نہ تھی اس کا نتیجہ ہے کہ انھوں نے تصنیف و تالیف کی طرف توجہ نہیں کی اپنی جوانی کے زمانہ میں جب ان کا کچھ عرصہ بھوپال میں طویل قیام رہا، تو نواب سلطان جہاں بیگم صاحبہ والی ریاست کی فرمائش یا اشارہ سے ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی سیرت لکھی جس کا ان کو معاوضہ ملا لیکن چھپنے کی نوبت نہیں آئی لاہور کے زمانہ قیام میں ۲۹ء میں پنجاب ایڈوائزری بورڈ فار بکس نے "ولیم ٹانس ورٹے باٹ" کو اردو میں منتقل کرنے کا کام ان کے سپرد کیا لیکن کام کے وسیع ہونے کی وجہ سے اس میں انھوں نے اپنے بہت سے تلامذہ و احباب کو شریک کر لیا۔ یہ لغت ۳۸ء میں چھپی لیکن کتاب میں ان کا کہیں نام نہیں ہے۔ شروع میں بتیس ۳۲ صفحہ کا ان کا ایک فاضلانہ و ناقدانہ مقدمہ ہے۔ جس میں بہت سے لغوی و نحوی فوائد آ گئے ہیں۔ ان کی اصل علمی یادگار فاضلانہ عربی کتاب کا وہ نامکمل مسودہ ہے جو انھوں نے عہد صحابہ کے تمدن و معاشرت اور علمی زندگی پر سالہا سال سے لکھنی شروع کی تھی اور اس کے سلسلہ میں انھوں نے ۱۳۷۷ھ و ۱۹۵۷ء میں اپنے قدردان دوست ڈاکٹر عبد الوہاب عزائم سابق سفیر مصر متعینہ پاکستان کی مدد سے حجاز مصر، شام، و ترکی کا سفر کیا تھا تاکہ وہاں کے نادرہ روزگار کتب خانوں سے استفادہ کریں اور کتاب کے لئے نیا مواد مہیا کریں ان کی آرزو تھی کہ یہ کتاب ان کی زندگی میں شائع ہو جائے لیکن نہ وہ اس کو مکمل کر سکے نہ اس کا سامان ہو سکا، اس خصوصی شفقت و تعلق کی بنا پر جو وہ مجھ ناچیز کے ساتھ رکھتے تھے۔ وہ سادہ مسودہ بیاضیں اور یادداشتیں انھوں نے مولانا ظفر احمد صاحب انصاری رکن رابطہ عالم اسلامی کے ذریعہ میرے پاس مکہ معظمہ بھیجدیں اگر یہ کتاب مکمل اور شائع ہو جاتی تو اندازہ ہے کہ اس موضوع پر منفرد اور ایک انسائیکلوپیڈیا کی حیثیت رکھتی اللہ تعالیٰ اس کی تکمیل و طباعت کا سامان مہیا فرمائے، تاکہ ان کی علمی یادگار باقی رہے صحابہ کرام کی خصوصیات اور کارنامے ایک نئے پہلو سے اجاگر ہوں اور جو لوگ واقف نہیں انکو تقریباً ایک گمنام فاضل و محقق کے علمی مرتبہ فضل و کمال سے آگاہی ہو

پھوپھا میاں! (اور ناظرین معاف فرمائیں کہ جب سے ہوش سنبھالا آخری ملاقات تک انہیں لفظوں میں ان کو خطاب کرتا رہا) آپ اب اس دنیا میں نہیں ہیں بیشک آپ پر ایسے حجابات پڑے رہے کہ آپ کے گرد و پیش بسنے والے انسانوں نے آپ کو نہیں پہچانا اور آپ کی قدر و منزلت کو نہیں جانا۔ لیکن ہم آپ کی یاد کو ہمیشہ دل سے اور آپ سے حاصل کئے ہوئے معلومات و افادات کو ہمیشہ سینے سے لگائے رکھیں گے، آپ کراچی سے پاکستان سے بلکہ اس دنیا سے رخصت ہو گئے مگر ہمارے دلوں کی بستی اور ہماری یادوں کی دنیا سے رخصت نہیں ہوئے۔

اے ہم نفسان صحبت ما
رفتید، مگر نہ از دل ما

بقیہ تعلیمی مصلح

بورڈنگ ہاؤس سے خبر آئی کہ بنگال کا ایک طالب علم ہیضہ میں مبتلا ہو گیا ہے مولانا بے قرار ہو گئے دوڑے ہوئے مدرسہ گئے اور طالب علم کو اپنے گھر اٹھا لائے لڑکے کو قے ہوئی تو مولانا اپنے ہاتھ سے صاف کرتے دست آتے تو بول و براز اٹھاتے اور اس کے کپڑے دھوتے دوا پر دوا دیتے اور دعا فرماتے کہ اللہ غریب پردیسی پر رحم کر اپنے ماں باپ کا اکلوتا لڑکا ہے لیکن بیمار کی حالت سدھرنے کے بجائے اور گرتی جاتی اور پریشانی بڑھتی جاتی اسی حالت میں آدھی رات ہو گئی سب تیماردار سو رہے لیکن مولانا کی آنکھ نہ لگی رات بھر اس کی دیکھ بھال میں لگے رہے۔

رات ڈھلے جب یکایک بعض لوگوں کی آنکھ کھلی تو کیا دیکھا مولانا بیمار کے قریب جائے نماز پر بیٹھے ہوئے ہیں روتے روتے ہچکیاں بندھ گئی ہیں اور آہستہ آہستہ فرما رہے ہیں مالک ہو جو چاہو سو کرو قادر مطلق ہو جو چاہو کر ڈالو قانون قدرت تمہارا بنایا ہوا ہے اس کو چاہو تو توڑ سکتے ہو آخر مجھے سرخرو کرو بچہ پردیسی ہے میرے بھروسے آیا تھا ماں باپ کا کیا حال ہوگا اگر یہ مجھ گنہگار کی دعائیں قبول نہیں کرتے تو میری نذر قبول کر لو جان کے بدلے جان ہے قبول فرمائیے میرا بچہ اس کے عوض میں قبول فرمائیے وہ بھی آپ کا میں بھی آپ کا یہ دعا کس قدر معصوم کس قدر پرخلوص کس قدر دردانگیز اور کس درجہ محبت سے لبریز تھی اثر کیوں نہ ہوتا۔ دعا قبول ہوئی چنانچہ ابھی صبح بھی نہ ہوئی تھی کہ اچانک اندر سے اطلاع آئی مولانا کے اکلوتے نوجوان بیٹے عتیق اللہ کو قے ہو رہی ہے ہیضہ کا شدید حملہ ہو چکا ہے مولانا اندر گئے بیٹے کی نبض دیکھی دوائی پلائی فائدہ نہ ہوا۔ لیکن جیسے جیسے بیٹے کی حالت بگڑتی جاتی بنگالی طالب علم کو افاقہ ہوتا جاتا آخر کار اسی دن بنگالی طالب علم صحت یاب ہو گیا اور عتیق اللہ اللہ کو پیارے ہو گئے۔

اب اسے مولانا کا جذبۂ ایثار کا نام دیجئے یا تصرف روحانی کہہ لیجئے اس لئے کہ مولانا صبر و شکر کے سوا اس سانحۂ عظیم پر صرف شکایت زبان پر نہ لائے اور نہایت ضبط و استقلال کے ساتھ لخت جگر کو سپرد خاک کر دیا۔

یہ تھا وہ جذبۂ ایثار و عمل جس کے ماتحت مولانا نے مدرسہ کو پروان چڑھایا اور تعلیم کو مسلمانوں میں عام کرنے کی جد و جہد فرمائی۔ یوں وہ مدرسہ کے بانی صدر بھی کچھ تھے لیکن کام کیلئے وہ مدرسہ کے سپاہی بنے رہتے تھے ان کے متعلق بہت صحیح کہا تھا۔

خود صدر خود سپاہی خود مدرسہ کا بانی
پھر احتیاط ایسی دانہ چھوا نہ پانی

مولانا اگرچہ روحانی بزرگوں اور برگزیدہ لیکن انھوں نے نہ تو کبھی گوشہ نشینی اختیار کی اور نہ کسی منزل میں کبھی دینی و دنیاوی فرض کا ترک گوارا کیا وہ شریعت کی سختی اور مذہب و اعتقادات میں راسخ تھے زہد و تقویٰ اور ریاضت و عبادت اور اتباع سنت کا انہماک اس درجہ پر پہنچا ہوا تھا کہ دیکھنے والے حیرت میں رہتے تھے۔

(بشکریہ ثقافت لاہور)

بقیہ پاکستان نئی منزل کی طرف

کرتے، سوشلسٹوں کے سامنے سب سے پہلے وہ سینہ سپر ہوتے گاؤں گاؤں اور قریہ قریہ جا کر اور لوگوں کا ہاتھ پکڑ کر ان کو اس خطرے سے آگاہ کرتے جو "مساوات" بلکہ غضب یہ ہے کہ "مساوات محمدی" کے نام پر الحاد و بیدینی اور ظلم و سفاکی کی ایک نئی دنیا میں ان کو پہنچا دینا چاہتے ہیں جس کا ایک نمونہ مشرقی جرمنی جیسا مظلوم و ستم رسیدہ ملک یا مصر و شام جیسی ناخدا ترس اشتراکی حکومتیں ہیں جن کی ایک جھلک گزشتہ سطور میں آپ کے سامنے پیش کی گئی۔

ایسے نازک موقع پر ایسا غیر سنجیدہ فیصلہ درحقیقت اس مسلمان کے لئے ناقابل فہم ہے جس کے سینہ میں دین کا کچھ درد ہے، اور جس کو حالات کا معمولی شعور بھی حاصل ہے، اور اگر پاکستان کے عوام نے اس تاریخی موقع پر اس شعور و دردمندی کا مظاہرہ کیا جو فہم و بصیرت اور ایمانی غیرت دونوں کا تقاضہ ہے تو اسلامی نظام، اسلامی طریق زندگی اور دلکش اسلامی معاشرہ کی وہ منزل ہمارے قریب ہوگی جو اس وقت اندیشوں اور اندازوں کے کبر میں گم ہے یا بہت دھندلی اور بہت دور نظر آ رہی ہے۔

سیرت مولانا سید محمد علی مونگیریؒ
(بانی ندوۃ العلماء)
(از سید محمد الحسنی)
مدیر: البعث الاسلامی و تعمیر حیات
ندوۃ العلماء کے تخیل اور نصب العین اس کے کردار اور تاریخ اس کی خدمات اور خصوصیات اور اس کے بانی آدمی رہنما کے سوانح حیات اور حالات و کمالات سے واقفیت کے لئے اس کتاب کا مطالعہ بہت ضروری ہے۔ معیاری کتابت و طباعت مجلد مع گرد پوش
مکتبہ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

(بقیہ رمضان میں اعتکاف کی فضیلت)

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے حضورؐ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ جنت کو رمضان شریف کے لئے خوشبوؤں کی دھونی دی جاتی ہے اور شروع سال سے آخر سال تک رمضان کی خاطر آراستہ کیا جاتا ہے۔ پس جب رمضان المبارک کی پہلی رات ہوتی ہے تو عرش کے نیچے سے ہوا چلتی ہے جس کا نام مثیرہ ہے۔ (جس کے جھونکوں کی وجہ سے جنت کے درختوں کے پتے اور کواڑوں کے حلقے بجنے لگتے ہیں جس سے ایسی دل آویز سریلی آواز نکلتی ہے کہ سننے والوں نے اس کی اچھی آواز کبھی نہیں سنی۔ پس خوشنما آنکھوں والی حوریں اپنے مکانوں سے نکل کر جنت کے بالاخانوں کے درمیان کھڑے ہو کر آواز دیتی ہیں کہ کوئی ہے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہم کو منگنی کرنے والا تاکہ حق تعالیٰ شانہ اس سے ہم کو جوڑ دیں، پھر وہی حوریں جنت کے داروغہ رضوان سے پوچھتی ہیں کہ یہ کیسی رات ہے وہ لبیک کہہ کر جواب دیتے ہیں کہ رمضان المبارک کی پہلی رات ہے جنت کے دروازے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے لئے (آج) کھول دیے گئے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ شانہ رضوان سے فرما دیتے ہیں کہ جنت کے دروازے کھول دے اور مالک (جہنم کے داروغہ) سے فرما دیتے ہیں کہ احمد صلی اللہ علیہ وسلم کے روزہ داروں پر جہنم کے دروازے بند کر دے اور جبرئیلؑ کو حکم ہوتا ہے کہ زمین پر جاؤ اور سرکش شیاطین کو قید کرو اور گلے میں طوق ڈال کر دریا میں پھینک دو کہ میرے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے روزوں کو خراب نہ کریں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ حق تعالیٰ شانہ رمضان کی ہر رات میں ایک منادی کو حکم فرماتے ہیں کہ تین مرتبہ یہ آواز دے کہ ہے کوئی مانگنے والا جس کو میں عطا کروں، ہے کوئی توبہ کرنے والا کہ میں اس کی توبہ قبول کروں، کوئی ہے مغفرت چاہنے والا کہ میں اس کی مغفرت کروں۔ کون ہے جو غنی کو قرض دے۔ ایسا غنی جو نادار نہیں اس کا پورا پورا ادا کرنے والا جو ذرا بھی کمی نہیں کرتا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ شانہ رمضان شریف میں روزانہ افطار کے وقت ایسے دس لاکھ آدمیوں کو جہنم سے خلاصی مرحمت فرماتے ہیں جو جہنم کے مستحق ہو چکے تھے اور جب رمضان کا آخری دن ہوتا ہے تو یکم رمضان سے آج تک جس قدر لوگ جہنم سے آزاد کئے گئے تھے ان کے برابر اس ایک دن میں آزاد فرماتے ہیں اور جس رات شب قدر ہوتی ہے تو حق تعالیٰ شانہ حضرت جبرئیلؑ کو حکم فرماتے ہیں وہ فرشتوں کے ایک بڑے لشکر کے ساتھ زمین پر اترتے ہیں۔ ان کے ساتھ ایک سبز جھنڈا ہوتا ہے جس کو کعبہ کے اوپر کھڑا کرتے ہیں۔ اور حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سو بازو ہیں جن میں سے دو بازو کو صرف اسی رات کو کھولتے ہیں جن کو مشرق سے مغرب تک پھیلا دیتے ہیں پھر حضرت جبرئیلؑ فرشتوں کو تقاضا فرماتے ہیں کہ جو مسلمان آج کی رات میں کھڑا ہو یا بیٹھا ہو نماز پڑھ رہا ہو یا ذکر کر رہا ہو اس کو سلام کریں اور مصافحہ کریں اور ان کی دعاؤں پر آمین کہیں۔ صبح تک یہی حالت رہتی ہے۔

جب صبح ہو جاتی ہے تو جبرئیلؑ آواز دیتے ہیں کہ اے فرشتو! کی جماعت اب کوچ کرو اور چلو۔ فرشتے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے پوچھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے احمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے مومنوں کی حاجتوں اور ضرورتوں میں کیا معاملہ فرمایا۔ وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر توجہ فرمائی اور چار شخصوں کے علاوہ سب کو معاف فرما دیا۔ صحابہؓ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ وہ چار شخص کون ہیں۔ ارشاد ہوا کہ ایک وہ شخص جو شراب کا عادی ہو، دوسرا وہ شخص جو والدین کی نافرمانی کرنے والا ہو، تیسرا وہ شخص جو قطع رحمی کرنے والا اور ناطہ توڑنے والا ہو، چوتھا وہ شخص جو کینہ رکھنے والا ہو۔ اور آپس میں قطع تعلق رکھنے والا ہو پھر جب عید الفطر کی رات ہوتی ہے اس کا نام (آسمانوں پر) لیلۃ الجائزہ (انعام کی رات) سے لیا جاتا ہے اور جب عید کی صبح ہوتی ہے تو حق تعالیٰ شانہ فرشتوں کو تمام شہروں میں بھیجتے ہیں وہ زمین پر اتر کر تمام گلیوں اور راستوں کے سروں پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور ایسی آواز سے جس کو جنات اور انسان کے سوا ہر مخلوق سنتی ہے پکارتے ہیں کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت اس رب کریم کی (درگاہ) کی طرف چلو جو بہت زیادہ عطا فرمانے والا ہے۔ پھر جب لوگ عیدگاہ کی طرف نکلتے ہیں تو حق تعالیٰ شانہ فرشتوں سے دریافت فرماتے ہیں، کیا بدلہ ہے اس مزدور کا جو اپنا کام پورا کر چکا ہو، وہ عرض کرتے ہیں کہ ہمارے معبود اور ہمارے مالک اس کا بدلہ یہی ہے کہ اس کی مزدوری پوری پوری دے دی جائے۔ تو حق تعالیٰ شانہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اے فرشتو! میں تمہیں گواہ بناتا ہوں میں نے ان کو رمضان کے روزوں اور تراویح کے بدلے میں اپنی رضا اور مغفرت عطا کر دی۔ اور بندوں سے خطاب فرما کر ارشاد ہوتا ہے کہ اے میرے بندو مجھ سے مانگو، میری عزت کی قسم میرے جلال کی قسم آج کے دن اپنے اس اجتماع میں مجھ سے اپنی آخرت کے بارے میں جو سوال کرو گے عطا کروں گا، اور دنیا کے بارے میں جو سوال کرو گے اس میں تمہاری مصلحت پر نظر کروں گا، میری عزت کی قسم کہ جب تک تم میرا خیال رکھو گے میں تمہاری لغزشوں پر ستاری کرتا رہوں گا۔ (ان کو چھپاتا رہوں گا۔) میری عزت کی قسم اور میرے جلال کی قسم میں تمھیں مجرموں (اور کافروں) کے سامنے رسوا اور فضیحت نہ کروں گا۔ بس اب بخشے بخشائے اپنے گھروں کو لوٹ جاؤ، تم نے مجھے راضی کر دیا اور میں تم سے راضی ہو گیا۔ پس فرشتے اس اجر و ثواب کو دیکھ کر جو اس امت کو افطار کے دن ملتا ہے خوشیاں مناتے ہیں اور کھل جاتے ہیں۔ اللّٰھم اجعلنا منھم۔ آمین

کوائف دارالعلوم

• آج کل دارالعلوم میں رمضان المبارک کی تعطیلات چل رہی ہیں، سوائے ان طلبہ کے جو اپنی کسی تعلیمی تیاری کے سلسلہ میں مقیم ہیں یا بعدِ مسافت کی وجہ سے نہیں جا سکے ہیں اسی شمارے میں درجات ثانویہ کے نتائج شائع کئے جا رہے ہیں۔ ڈاک سے نتائج کارڈ بھی روانہ کئے جائیں گے

• وظائف کی منظوری چونکہ تعطیلات ہی کے دوران ہوتی ہے اس لئے اس موقع پر وظائف کی منظوری و عدم منظوری کی اطلاع ڈاک سے ہی جائے گی۔ جدید داخلے ۵ر شوال المکرم سے ۲۰ر شوال المکرم تک ہوتے ہیں۔

مندرجہ ذیل مقامات پر حضرات اساتذہ و سفراء کا دورہ ہو رہا ہے۔ احباب و مخلصین سے بیش از بیش تعاون کی درخواست ہے۔

کلکتہ : مولانا مفتی محمد ظہور صاحب ندوی۔
بمبئی : مولوی قمر علی صاحب ندوی۔
گجرات : مولانا ہاشم صاحب مظاہری سفیر دارالعلوم

موصوف کے ساتھ ہی گجرات کے چند حلقوں کا دورہ مولوی عبد الحی حسنی ندوی بھی کریں گے۔
مدراس ویلور، بنگلور : مولوی ہارون رشید صاحب (استاذ مدرسہ ثانویہ دارالعلوم)
شیموگہ، میسور : مولوی مجیب اللہ صاحب۔
حیدرآباد، نظام آباد، سکندرآباد، محبوب نگر : مولانا نذر الحفیظ صاحب ندوی استاذ دارالعلوم
کانپور : حسب معمول مولوی عبد الرشید صاحب (سفیر دارالعلوم) کانپور انشاء اللہ عنقریب پہونچیں گے۔
دھنباد، آسنسول، گیا، پٹنہ : مولوی عباس صاحب (ندوی)
گورکھپور : مولوی واجد علی صاحب
مئو اعظم گڈھ : مولوی حکیم فقیر الدین صاحب
بنارس، ناگپور وغیرہ : منشی عثمان غنی صاحب۔
علیگڈھ، آگرہ، دہلی، بھوپال : مولوی عبد المختار صاحب

احباب و مخلصین سے درخواست ہے کہ اس ماہ مبارک میں دارالعلوم کے لئے زیادہ سے زیادہ مالی اعانت فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔ آمین

نائب ناظم ندوۃ العلماء

مدیر و پبلشر محمد الحسنی نے ستار پرنٹنگ پریس امین آباد لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر تعمیر حیات ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع کیا۔

لائبیریا کے مسلمان آپ کیا کہتے ہیں

لائبیریا کا شمار اس وقت مغربی افریقہ کی ترقی پذیر ریاستوں میں ہوتا ہے۔ بحر لنی کے مغربی ساحل پر واقع ہے اور کافی چینی اور روغن زیتون پیدا کرنے کے لئے مشہور ہے سرکاری زبان انگریزی ہے اس ملک کی آبادی دس لاکھ ساٹھ ہزار پر مشتمل ہے جس میں ۲۵ فیصدی بت پرست، ۳۰ فیصدی مسلمان اور ۲۰ فیصدی عیسائی ہیں۔ اقوام متحدہ کی ۱۹۶۱ء کی ایئر بک کے مطابق مسلمان ملک کی آبادی کا ۵۰ فیصد ہیں۔ ایک مغربی مصنف تھامس پیٹرک ملیڈی اپنی کتاب FACES OF AFRICA ۱۹۶۴ء میں مسلمانوں کی تعداد پانچ لاکھ ساٹھ ہزار (یعنی ۵۲٪) بتاتی ہے اس انفرادی قوت کے مسلمانوں کا حکومت اور ملک کی انتظامیہ میں کوئی حصہ نہیں ہے، پولیس اور فوج میں بھی سب عیسائی چھائے ہوئے ہیں ملک کا صدر اور پوری کابینہ عیسائیوں پر مشتمل ہے، موجودہ صدر اپنے عہدہ صدارت سے پہلے ایک مقامی گرجے کا پادری تھا۔

سیاست سے بے تعلق اور تعلیم کی کمی کے سبب مسلمان ایک عرصہ سے زبوں حالی میں مبتلا ہیں۔ پورے ملک میں ایک بھی درسگاہ نہیں جہاں مسلمان اپنے دینی تقاضوں کے مطابق تعلیم حاصل کر سکیں۔ مغربی تعلیم حاصل کرنے والے بھی چند مسلمان نظر آئیں گے اور کسی اچھے عہدے پر فائز تو شاید ہی کوئی مسلمان نظر آ جائے گا۔ ایک معمولی کلرک کی حصول بھی ان کے لئے کار دشوار ہے۔ معیشت، تجارت اور صنعت و حرفت میں مسلمانوں کا تناسب نہ ہونے کے برابر ہے۔

اس قسم کے دردناک حالات آزاد مسلم ممالک کے لئے ایک لمحہ فکریہ کا درجہ رکھتے ہیں۔ مگر افسوس کا مقام ہے کہ مسلمانوں کے ان اجتماعی مسائل پر توجہ نہیں دی جا رہی ہے سنہ ۱۹۶۹ء کے اوائل میں جب انڈونیشیا میں ہونے والی افریشیائی اسلامی کانفرنس کے موقع پر جب سوڈان نے ایتھوپیا کے مظلوم مسلمانوں کے بارے میں آواز اٹھائی تو گینیا اور لائبیریا نے اس مسئلہ کو کانفرنس کے ایجنڈے میں شامل کرنے کی مخالفت کی کیونکہ خود ان ملکوں میں مسلمان مظالم اور محرومیوں کا شکار تھے۔

دنیا کے مظلوم اور پسماندہ مسلمانوں کو تباہی اور ذلت سے بچانے کیلئے ضروری ہے کہ عالم اسلام کی توجہ اور تعاون سے ایک ایسی مضبوط مرکزی تنظیم قائم کر دی جائے جو دنیا بھر میں ان کے مفادات کی حفاظت کرے موتمر عالم اسلامی (مکہ معظمہ) اور افریشیائی اسلامی تنظیم (جکارتہ) بظاہر مفید تنظیمیں ہیں لیکن حسب توقعات کے مطابق موثر ثابت نہیں ہو سکیں۔ جب کہ اسلام دشمن تحریکوں کی یلغار شدت اختیار کرتی جا رہی ہے ان حالات میں بہت ضروری ہے کہ مغربی افریقہ کے مسلم اکثریت کے مقابلہ والے ممالک مثلاً نائجیریا، لائبیریا، آیوری کوسٹ، گنی، گیمبیا، مالی، سیرالیون اور سینیگال کے مسلمانوں کو اتحاد کی ایک لڑی میں پرو دیا جائے تاکہ مل جل کر اپنے حقوق کی بحالی کے لئے موثر جد وجہد کر سکیں اور ایک زبان ہو کر اقوام متحدہ میں اپنے جائز مطالبات منوا سکیں۔

مسلم اکثریت کے باوجود یہ تمام علاقے عیسائیوں کے ہاتھ میں ہیں اور انھوں نے مسلمانوں کو ایک دوسرے سے اجنبی رکھنے کے لئے جان بوجھ کر ان کے درمیان پردے حائل کر دئیے اگر پوری توجہ محنت اور ایثار سے یہاں اسلام کی تبلیغ و اشاعت اور مسلمانوں کی بیداری کے لئے کام کیا جائے تو پورا مغربی افریقہ اسلام کی قوت و عظمت کا مرکز بن سکتا ہے جہاں سے مشرقی و وسطی افریقہ میں بھی دشمنان اسلام کے ناپاک عزائم کو خاک میں ملایا جا سکتا ہے۔

ملک کے مختلف حصوں میں مساجد کم ہیں دارالحکومت منروویا میں صرف دو چھوٹی چھوٹی مسجدیں ہیں جو وہاں کے مسلم باشندوں کے لئے قطعی ناکافی ہیں جمعہ کی نماز ادا کرنے کے لئے نمازیوں کو گلیوں کے باہر کھڑا ہونا پڑتا ہے۔ اسلام کی تبلیغ کرنے والی کوئی بھی صالح تنظیم نہیں جس کے نتیجہ میں مسلمانوں کی اکثریت اسلام کی تعلیمات سے بیگانہ ہوتی جا رہی ہے وہ گھر بڑا خوش قسمت ہوگا جہاں مکمل قرآن پاک موجود ہو یا اسے پڑھا اور سمجھا جاتا ہو۔ مسلمانوں کی اسلام سے ناآشنائی عیسائی مشنریوں کی سب سے بڑی کامیابی ہے۔ اسلام کی عدم توجہی سے یہاں کی مسلم آبادی بتدریج ارتداد کا شکار ہو رہی ہے۔

لائبیریا میں اسلام کو مادی وسائل اور تربیت یافتہ باصلاحیت اور مخلص اسلامی کارکنوں کی اشد ضرورت ہے۔ مسلمان حکومتیں، اسلامی ادارے اور مخیر حضرات اس کار خیر میں حصہ لے کر نہ صرف لائبیریا بلکہ پورے افریقہ کے حالات کا نقشہ بدل سکتے ہیں۔ عیسائیت کے پردے میں مغربی اقوام اپنے اثرات کو قائم اور مستحکم کرنے کے لئے جس طرح زور لگا رہی ہیں اور اب [illegible] اور بہبودی [illegible] براعظم افریقہ میں اثر و نفوذ کے لئے [illegible] منظم پروگرام پر کام کر رہے ہیں وہ کسی سے پوشیدہ نہیں، ان کے مقابلہ میں مسلمانوں کی طرف سے اب تک غفلت ہی برتی گئی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کوتاہی کا کسی حد تک ذمہ دار مغربی پریس اور پروپیگنڈا ایجنسیاں ہیں جنھوں نے نہایت چالاکی و عیاری کے ساتھ کئی برسوں سے بات عام کر رکھی ہے کہ افریقہ میں اسلام سرعت کے ساتھ پھیل رہا ہے

اس منافقانہ حکمت عملی کا مقصد عالم اسلام کی توجہ افریقہ سے ہٹانا ہے تاکہ اس طرح افریقہ عیسائی مشنری کے لئے ایک محفوظ جگہ بنا رہے۔ اس سلسلہ میں امریکہ کے کثیر الاشاعت اخبار روزنامہ "ٹائم" نے بہت ہی تباہی مچا رکھی ہے اس جریدہ نے اپنی ۱۷ر جنوری ۱۹۶۳ء کی اشاعت میں افریقہ میں اسلام اور عیسائیت کے پھیلاؤ کے بارے میں ایک خاص مضمون شائع کیا ہے جس میں قارئین کو تاثر دیا گیا ہے کہ افریقہ میں اسلام بڑی تیزی سے پھیل رہا ہے اور مسلمانوں کی آنکھوں میں اس طرح دھول جھونکی گئی کہ اب بھی وہ صحیح حالات سے بے خبر ہیں، مغربی پریس اور کلیسا کے اس پروپیگنڈے کا دوسرا مقصد [illegible] یہ ہے کہ وہ اسلامی مبلغین کو یہ تاثر دے کر کہ اسلام وہاں بسرعت پھیل رہا ہے افریقہ جانے سے روکے رکھیں اور دوسری طرف تبلیغ اسلام کے ضمن میں مبالغہ آرائی کر کے اپنی حکومتوں صنعت کاروں اور دیگر ثروت مند لوگوں سے زیادہ پیسہ جمع کر کے افریقہ میں عیسائیت کے پرچار پر خرچ کریں۔ اب بھی وقت ہے کہ مغربی پریس اور کلیسا کی اس فریبانہ چال کو سمجھا جائے اور افریقہ میں اسلام کی آواز پر لبیک کہہ کر ہم میدان عمل میں آ جائیں۔

خاص طور پر مسلمانان ہند و پاک کو افریقہ میں تبلیغ اسلام کے سلسلے میں اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنا چاہئے جو نہایت مشکل حالات میں افریقہ کے اندر [illegible] پر تبلیغی کام کرنے کے لئے قائم ہو رہے ہیں۔ اگر فقدان قوم کو بھیجنا ممکن نہ ہو تو قرآن مجید کی جلدیں اور انگریزی زبان میں دینی کتب ارسال کی جا سکتی ہیں۔ سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ کچھ نوجوان دینی اور جدید علوم سے آراستہ ہوں۔ اپنے آپ کو افریقہ میں کام کرنے کے لئے تیار کریں اور پھر وہاں جا کر اس اہم فریضہ کی ادائیگی میں اپنی زندگیاں وقف کر دیں۔

بشکریہ بدر ۱۲ اکتوبر ۱۹۷۰ء